ڈیجیٹل تصویر

فنی وشرعی تجزیہ

مفتی شعیب عالم

استاذ ومعاون مفتی جامعه علوم إسلاميه

علامه محمد يوسف بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبۃ السنان کراچی

نام کتاب:............................ ڈیجیٹل تصویر

مصنف:............................ مفتی شعیب عالم

تعداد اشاعت:.......................1100

اشاعت:............................ اوّل

سن اشاعت:........................ ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۶ء

ترتیب وتزئین:...................... کلیم اللہ(03152403140)

برائے رابطہ

0334-3316166

اسٹاکسٹ

ادارۃ الرشید

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۹	حرفے چند	۱
۱۱	حصہ اول　　فنی جائزہ	۲
۱۳	فصل اول:　　فنی تجزیہ و تحلیل	۳
۱۳	برقی تصویر کی تمثیل	٤
١٤	رؤیت کی شرائط	٥
۱۸	روشنی کی ضرورت	٦
۱۹	رؤیت کا اصول	۷
۲۲	فصل دوم:　　کیمرا	۸
۲۲	کیمرے کی ایجاد	۹
۲۳	کیمرے کا مقصد	۱۰
۲٤	کیمرے کا طریقہ کار	۱۱
۲٥	فصل سوم:　　عکس	۱۲
۲٥	عکس کا لغوی معنی	۱۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
١٤	جسم کی اقسام	٢٥
١٥	عکس کی حقیقت	٢٦
١٦	عکس کے تشکیلی اجزاء	٢٧
١٧	**فصل چہارم: کیمرا اور عکاسی**	٢٩
١٨	پہلا مرحلہ: عکس کا حصول	٢٩
١٩	دوسرا مرحلہ: عکس کا ضبط (روایتی کیمرے کا طریقہ کار)	٣٠
٢٠	ویڈیو کیمرے کا طریقہ کار	٣٠
٢١	ٹی وی کیمرے کا طریقہ کار	٣٠
٢٢	ڈیجیٹل کیمرے کا طریقہ کار	٣١
٢٣	تیسرا مرحلہ: عکس کا اظہار	٣١
٢٤	تیسرے مرحلے کا حاصل	٣٢
٢٥	**فصل پنجم: ڈیجیٹل ٹیکنالوجی**	٣٣
٢٦	تعارف	٣٣
٢٧	مثال سے توضیح	٣٤
٢٨	ڈیجیٹل کیمرا	٣٥
٢٩	ہولوگرام اور ورچیول ریالٹی	٣٦
٣٠	ڈیجیٹل تیکنیک پر آخری نظر	٣٨

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۳۹	**حصہ ثانی: شرعی جائزہ**	۳۱
٤٠	**فصل اول: فقہی تبصرہ و تفصیل**	۳۲
٤١	منظر کشی کے تین مرحلے	۳۳
٤٢	تنقیحات	۳٤
٤٢	انفرادی جائزہ	۳٥
٤٢	پہلا مرحلہ: حصول عکس	۳٦
٤۳	دوسرا مرحلہ: عکس کا ضبط	۳۷
٤٦	تیسرا مرحلہ: عکس کا اظہار	۳۸
٤۷	مجموعی تجزیہ	۳۹
٤۷	مقصودی مرحلہ	٤٠
٤۹	**فصل دوم: تنقیح مناط**	٤١
٤۹	عکس یا تصویر؟	٤٢
٥١	جواز اور عدم جواز کی بنیادی دلیل	٤۳
٥٢	**فصل سوم: صنعتِ انسانی**	٤٤
٥٢	تکلیف کی بنیاد	٤٥
٥٢	عکس کا فطری اور تصویر کا مصنوعی ہونا	٤٦
٥۷	**فصل چہارم: مرئی اور غیر مرئی کی بحث**	٤۷
٥۷	ڈیجیٹل تصویر کا غیر مرئی ہونا	٤۸

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
٦٢	**فصل پنجم: پائیداری اور ناپائیداری کی بحث**	٤٩
٦٢	پائیدار سے مراد	٥٠
٦٤	ڈیجیٹل تصویر کی پائیداری	٥١
٦٨	**فصل ششم: تخیل کا دخل**	٥٢
٦٨	فنون لطیفہ کی قسمیں	٥٣
٦٨	تخلیق کا مطلب	٥٤
٦٩	علامہ سید سلیمان ندوی کا نقطہ نظر	٥٥
٧٠	شیخ محمد بخیت المطیعی کا موقف	٥٦
٧٥	**فصل ہفتم: متحرک تصاویر**	٥٧
٧٥	متحرک تصویر کی حقیقت	٥٨
٧٦	سینما کی متحرک تصویریں	٥٩
٧٧	سینما کی ابتدائی شکل	٦٠
٧٧	خیالی تصویریں	٦١
٧٨	سینما کے متعلق اکابر کا موقف	٦٢
٨٣	**فصل ہشتم: تصویر کا مادہ**	٦٣
٨٣	روشنی۔۔۔تصویر کا مادہ؟	٦٤
٨٥	**فصل نہم: قدیم اور جدید کا فرق**	٦٥
٨٥	علل اربعہ کے پہلو	٦٦

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
٦٧	**فصل دہم: اصل اور عکس**	۸۷
٦۸	اصل اور عکس کا فرق	۸۷
٦۹	وجہ فرق، روشنی	۸۸
۷۰	عکس اور برقی تصویر کا فرق	۸۹
۷۱	ڈیجیٹل ساؤنڈ	۹۰
۷۲	براہ راست نشریات	۹۱
۷۳	محفوظ تو ہوتی ہے	۹۱
۷٤	**فصل یازدہم: عرف اور تصویر**	۹٤
۷٥	تصویر: ایک عرفی حقیقت	۹٤
۷٦	تصویر از روئے لغت:	۹٦
۷۷	اختلافی نکتہ	۱۰۰
۷۸	اختلاف کی بنیاد	۱۰۱
۷۹	عرف: ایک فیصلہ کن عامل	۱۰۲
۸۰	عرف کے شواہد	۱۰٥
۸۱	نتیجہ بحث	۱۰۹
۸۲	ضمیمہ	۱۱۱
۸۳	کتابیات	۱۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ چند

جان دار کی شبیہ جو برقی آلات جیسے ٹی وی، موبائل وغیرہ پر نظر آتی ہے، وہ تصویر کی ترقی یافتہ شکل ہونے کی بناء پر حرام ہے یا آئینے کے عکس کی مانند جائز ہے؟ یہی اس تحریر کا موضوع ہے۔ یہ موضوع چونکہ خاص اور محدود ہے، اس لئے بحث کے دیگر اطراف وجوانب جیسے تصویر کی تاریخ، اس کی حرمت کی علت، اس بارے میں مذاہب فقہاء اور تصویر سے متعلق دیگر جزئی وضمنی مسائل کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح جس شبیہ کے نقوش مستقل اور پائیدار ہوں، خواہ وہ فوٹو گرافک کاغذ پر یا عام کاغذ پر پرنٹ ہو یا پتھر اور دیوار پر نقش ہو یا کسی اور ٹھوس سطح پر ثبت ہو، اس کا تصویر ہونا چونکہ اتفاقی اور غیر اختلافی ہے، اس لئے وہ بھی ہماری بحث سے خارج ہے۔

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اصل موضوع برقی شبیہ ہے، اور مقصود اس کے تصویر ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق ہے مگر بحث کا آغاز رؤیت اور روشنی وغیرہ کے اصولوں سے کیا گیا ہے، اس غیر متوقع آغاز اور خلاف عادت ابتداء کی وجہ یہ ہے کہ برقی شبیہ کے حصول کا عام ذریعہ کیمرا ہے اور کیمرے اور آنکھ میں بڑا گہرا ربط ہے، کیمرے کی ایجاد رؤیت کا اصول دریافت ہونے کے بعد ممکن ہوئی ہے، خود کیمرے کی بنیاد آنکھ کی ساخت پر رکھی گئی ہے اور کیمرا اپنے طریقہ کار میں بڑی حد تک آنکھ کے اصولوں پر کام کرتا ہے اور جس طرح آنکھ کو بصارت کے لیے روشنی کی ضرورت تو کیمرے کو شبیہ کے حصول اور تشکیل کے لیے

روشنی کی ضرورت ہے۔ الغرض روشنی سے رؤیت اور رؤیت سے کیمرے کی طرف تدریجاً ابحاث کا سلسلہ پھیلا یا گیا ہے۔ اگر اس نقطۂ نگاہ سے مضمون ملاحظہ کیا جائے گا تو اس میں ایک منطقی ربط اور معنوی تسلسل محسوس ہوگا۔

فہم میں سہولت اور ضبط میں آسانی کے لئے گفتگو کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلا حصہ فنی تجزیہ و تحلیل اور دوسرا حصہ فقہی نقد و تفصیل پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کی حیثیت مقدمہ اور تمہید کی ہے، جس میں زیادہ زور تعارف اور فنی نکات کی تشریح پر ہے، مگر اس خیال سے کہ طبیعت کو نتائج سے دلچسپی ہوتی ہے اور وہ مقدمات سے گھبراتی اور تمہیدات سے اُکتاتی ہے، موقع بہ موقع نتائج بھی ذکر کردیئے گئے ہیں، لیکن اس کے باوجود جو حضرات فنی مباحث کو پسند ہی نہ کرتے ہوں، وہ دوسرے حصے سے کتاب کو شروع کر سکتے ہیں۔

کتاب میں کہیں کہیں تکرار بھی محسوس ہوگا، لیکن معمولی تکرار کو مباحث کے تشنہ رہنے پر ترجیح دی گئی ہے، یوں بھی سیاق وسباق بدل جائے تو تکرار، تکرار نہیں رہتا۔

کوشش کی گئی ہے کہ اصل مصادر اور مراجع کو بنیاد بنایا جائے، لیکن جہاں اصل مصادر دستیاب نہ تھے یا استفادکی نوعیت ضمنی اور تائیدی تھی یا کسی کتاب کے مندرجات مسلمہ حقائق کا روپ دھار چکے ہیں، وہاں ثانوی مآخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

آخری گزارش یہ ہے کہ لاریب صرف کتاب اللہ ہے اور معصوم صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور محفوظ ہستیاں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ہیں، ان کے علاوہ نہ کوئی عصمت کا دعویٰ کرسکتا ہے اور نہ کوئی اپنی رائے کو خطا سے پاک قرار دے سکتا ہے، اس لئے جو اہل علم کسی استدلال کی کمزوری یا کسی خامی کی نشاندہی فرمائیں گے، شکریہ کے ساتھ اس کی اصلاح کردی جائے گی۔

وصلی اللہ وسلم علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین.

شعیب عالم

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حصہ اوّل

فنی تجزیہ

فصل اول	فنی تجزیہ و تحلیل
فصل دوم	کیمرا
فصل سوم	عکس
فصل چہارم	کیمرا اور عکاسی
فصل پنجم	ڈیجیٹل ٹیکنالوجی

فصل اوّل

فنی تجزیہ و تحلیل

برقی تصویر کی تمثیل

ٹی وی یا کسی دیگر برقی آلے کی اسکرین پر جو صورتیں نظر آتی ہیں، وہ دراصل روشنی کے چھوٹے چھوٹے نقطے ہوتے ہیں، ان نقطوں کی وضاحت کے لئے ہم اخبار میں شائع شدہ تصویر کی مثال لے سکتے ہیں۔ اگر آپ اخبار میں چھپی کسی تصویر کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ چھوٹے چھوٹے باریک نقطوں سے مل کر بنی ہے، یہ نقطے کسی جگہ بہت گہرے اور سیاہ ہیں اور کسی جگہ ہلکے اور مبہم ہیں، تصویر کے روشن حصے میں نقطے بہت باریک ہیں، جب کہ سیاہ حصے میں کافی موٹے ہیں، ان ہی سیاہ و سفید نقطوں سے مل کر تصویر بنتی ہے اور یہی تصویر کے اجزاء کہلاتے ہیں۔

اخبار کی تصویر کی طرح ٹی وی اور موبائل پر ظاہر ہونے والی صورتیں اور شکلیں بھی چھوٹے چھوٹے نقاط کا مجموعہ ہوتی ہیں، جنہیں ڈاٹس (dots) یا پکسلز (pixels) کہا

جاتا ہے۔ ان نقطوں پر جب پیچھے سے روشنی پڑتی ہے تو یہ چمکنے لگتے ہیں اور سب مل کر تصویر کی تشکیل کرتے ہیں۔(۱)

یہ صورتیں جو اسکرین پر نمودار ہوتی ہیں، کیمرا اُنہیں کیسے بناتا اور دکھاتا ہے؟ یہ سمجھنے کے لئے آنکھ کے طریقہ کار کو جاننا ضروری ہے کہ وہ صورتوں کو کیسے دیکھتی ہے، کیوں کہ کیمرے کی بنیاد آنکھ پر ہے اور ماہرین تسلیم کرتے ہیں کہ کیمرا آج بھی بڑی حد تک آنکھ کے اصولوں پر کام کرتا ہے۔

رؤیت کی شرائط

آنکھ دیکھتی ہے، مگر جب دیکھنے کی تمام شرطیں موجود ہوں، کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو آنکھ دیکھنے سے قاصر رہتی ہے۔ امام فخر الدین محمد بن عمر الرازیؒ نے ''الأربعین فی أصول الدین'' میں ان شرطوں کو بیان کیا ہے جن کی موجودگی میں آنکھ دیکھ پاتی ہے اور جن میں سے کسی شرط کی غیر موجودگی میں آنکھ اپنی کارفرمائی سے معذور رہتی ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین الرازیؒ لکھتے ہیں کہ ''موجودہ دنیا میں کسی شئے کو دیکھنے کی آٹھ شرطیں ہیں:

''إن الاشياء التي يجب حصول الأبصار في الشاهد عند حصولها ثمانية: أحدها :سلامة الحاسة، وثانيها: كون الشئ بحيث أن يكون جائز الرؤية، وثالثها: أن لايكون في غاية البعد، والرابع: أن لايكون في غاية القرب، والخامس: أن

۱) اخبار میں چھپی تصویر اور برقی تصویر میں چند وجوہ سے فرق معلوم ہوتا ہے: ایک کا مادہ روشنی اور دوسرے کا سیاہی ہے، ایک متحرک اور دوسری ساکت ہے، ایک آناً فاناً تبدیل ہوتی رہتی ہے اور دوسری نقش اور ثبت ہوتی ہے۔ یہ تینوں فرق شرعی نقطۂ نگاہ سے کوئی اہمیت رکھتے ہیں؟ حصہ دوم میں ان پر گفتگو ہوگی۔

یکون مقابلاً للرائي أو في حکم المقابل، والسادس: أن لایکون في غایة اللطافة، والسابع: أن لایکون بین الرائي و المرئي حجاب، والثامن: أن لایکون في غایة الصغر۔ قالوا: عند حصول هذه الأمور الثمانية یجب حصول الأبصار،إذ لولم یجب لجاز أن یحصل بحضرتنا جبال عالیة... ونحن لانراها".(۱)

۱:......آنکھ کا صحیح وسالم ہونا۔

۲:......اس چیز کی رؤیت کا ممکن ہونا۔

۳:......اس کا بہت زیادہ دور نہ ہونا۔

۴:......اس کا بہت زیادہ قریب نہ ہونا۔

۵:......اس کا دیکھنے والے کے مقابل یا مقابل کے حکم میں ہونا۔

۶:......اس کا بہت زیادہ لطیف نہ ہونا۔

۷:......اس میں اور دیکھنے والے کے درمیان کسی چیز کا حائل نہ ہونا۔

۸:......اس کا بہت زیادہ چھوٹا نہ ہونا۔

ان شرطوں کی موجودگی میں اس شئے کی رؤیت ضروری ہوجاتی ہے، ورنہ لازم

۱)امام فخر الدین رازی، کتاب الاربعین فی اصول الدین، دائرۃ المعارف العثمانیہ،حیدرآباد، دکن، ۱۳۵۳ھ، اشاعت اول،ص:۱۰۱

آئے گا کہ ہمارے سامنے اونچے اونچے پہاڑ ہوں اور وہ ہم کو نظر نہ آئیں۔‘‘(۱)

’’امام رازیؒ‘‘ نے رؤیت کے لئے جو شرطیں بیان کی ہیں، وہ اگرچہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں، مگر تشریح طلب ہیں۔ موقع ومحل اور مقام کا تقاضا ہے کہ اُنہیں ذرا کھول کر بیان کیا جائے، وضاحت کے لئے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سے بہتر اور کوئی شخصیت نہیں ہوسکتی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں دقیق اور پیچیدہ مسائل کو عام فہم اور عوامی انداز میں بیان کرنے کا خصوصی ملکہ عطا کیا ہوا ہے، ان کی تقریر سے مذکورہ شرائط کی اچھی طرح وضاحت ہوجاتی ہے۔ حضرتؒ کی تقریر اگرچہ طویل ہے، مگر دلچسپ ہے اور مقام کی وضاحت کے لئے ضروری بھی۔ آنکھ کے دائرۂ علم کو تنگ اور محدود ثابت کرتے ہوئے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

> ’’آنکھ کا علم اول تو صرف جسمانیات تک محدود ہے، وہ مادیات کو تو دیکھ سکتی ہے، روحانیات کو نہیں۔ باوجود انتہائی قریب ہونے کے آنکھ نے آج تک اپنی روح کو بھی نہیں دیکھا، جس سے واضح ہے کہ معنویات اور لطائف کے ادراک سے اُسے کوئی سروکار نہیں۔ آنکھ سے اگر صورت

۱) ’’الاربعین في أصول الدین‘‘ میں امام فخر الدین رازیؒ نے علم کلام کے چالیس مسائل بیان کیے ہیں، جن میں رؤیت باری کا مسئلہ بھی ہے۔ معتزلہ نے اس مسئلے میں جمہور امت سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے۔ یہ فرقہ رؤیت باری کا انکار کرتا ہے اور عقلیت پسند ہونے کی وجہ سے اپنے موقف پر عقلی دلائل پیش کرتا ہے۔ امام رازیؒ عقل اور نقل کے جامع ہیں، بلکہ عقلیات کے تو امام ہیں، اس لئے جب کسی مسئلے پر قلم اٹھاتے ہیں تو موافق ومخالف اور عقلی ونقلی دلائل کا ڈھیر لگا دیتے ہیں اور ان پر تنقید کرتے جاتے ہیں۔ مذکورہ شرطیں دیدار خداوندی کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے معتزلہ کے موقف کی وضاحت میں امام رازیؒ نے ذکر کی ہیں، ہم نے اُنہیں استدلال میں اس لئے پیش کیا ہے کہ ’’امام رازیؒ‘‘ نے ان کے فی نفسہ درست ہونے یا نہ ہونے پر کوئی اشکال نہیں کیا ہے، بلکہ صرف ’’رؤیت باری‘‘ کے مسئلے میں ان کا غیر متعلق ہونا بیان کیا ہے۔

پوچھو تو بتا دے گی، لیکن اگر اس کی حقیقت اور معنویت پوچھنے لگو تو معذور رہ جائے گی۔

پھر جسمانیات کے دائرے میں بھی اسے ماضی اور مستقبل کے دیکھ لینے سے کوئی واسطہ نہیں۔ جو چیزیں جا چکی ہیں یا جو آنے والی ہیں، آنکھ اُن کے دیدار سے محروم ہے، اس لئے اس کا دائرہ عمل صرف حال رہ جاتا ہے۔

پھر جو چیزیں زمانہ حال میں موجود ہیں، ان کے دیکھنے کے لئے بھی تقابل شرط ہے کہ وہ آنکھ کے سامنے ہوں، دائیں بائیں یا پس پشت ہوئیں تو آنکھ ادراک سے عاجز رہ جائے گی۔

پھر جو چیزیں سامنے ہوں ان کے لئے بھی شرط ہے کہ نہ زیادہ دور ہوں، نہ بہت قریب ہوں، بلکہ معتدل فاصلے پر ہوں۔

پھر اس معتدل فاصلے کے لئے بھی شرط ہے کہ بیچ میں کوئی حائل اور حجاب نہ ہو، اگر ذرا سا پردہ بھی بیچ میں آجائے تو آنکھ پھر دیدار سے معذور رہ جاتی ہے۔

اگر آنکھ بلا حائل ہو کر دیکھے، پھر بھی اس چیز کا سکون میں ہونا شرط ہے، اگر وہ متحرک ہوگی تو نگاہ اس پر جم نہ سکے گی، اور اگر خواہ مخواہ نگاہ جما دی جائے تو گو دیدار ہو جائے گا، مگر غلط ہوگا، شئے کچھ سے کچھ دکھائی دینے لگے گی۔"(۱)

رؤیت کی شرطوں کی اچھی طرح وضاحت ہو چکی ہے، تاہم ایک ایسی ضروری اور

۱) قاری محمد طیب قاسمی، خطبات حکیم الاسلام، بتلخیص وتغییر یسیر، مرتب: قاری محمد ادریس ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان، طبع اول ج: ۳، ص: ۳۶۹۔

بنیادی شرط کا ذکر ابھی باقی ہے، جو اصل مقصود ہے اور جس پر آگے کی گفتگو مبنی ہے، اور جسے ذکر کئے بغیر بحث ناقص اور نامکمل رہے گی۔

روشنی کی ضرورت

پیچھے جن آٹھ شرطوں کا بیان ہوا، وہ تمام کی تمام موجود ہوں، مگر روشنی نہ ہو تو آنکھ پھر بھی ادراک سے قاصر رہتی ہے۔ اس شرط کی ضرورت پر زیادہ دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، روزمرہ کا مشاہدہ اور دن رات کا تجربہ اس پر واضح دلیل ہے۔ اندھیرے میں تو ہم اردگرد پڑی اشیاء کو، بلکہ اپنے آپ کو بھی دیکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

رؤیت کے لئے روشنی کی ضرورت کوئی نیا سائنسی انکشاف یا کسی جدید نظریے کی دریافت نہیں ہے، انسان اس ضرورت سے بہت پہلے سے آگاہ ہے۔ افلاطون کے ''نظریۂ امثال'' کی وضاحت کرتے ہوئے نامور مغربی فلسفی ''برٹرینڈ رسل'' لکھتا ہے:

> ''افلاطون واضح عقلی تصور اور مخلوط حسی ادراک کے درمیان فرق واضح کرنے کی کوشش میں حس بصارت سے ایک تمثیل پیش کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ حس بصارت دوسرے حواس سے مختلف ہے، کیوں کہ اس کے لئے نہ صرف آنکھ اور شئے درکار ہے، بلکہ روشنی بھی۔ ہم ان اشیاء کو واضح طور پر دیکھتے ہیں جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ شفق یا دھندلکے میں اشیاء غیر واضح دکھائی دیتی ہیں اور گھپ اندھیرے میں تو دکھائی ہی نہیں دیتیں۔''(۱)

دل کش اور البیلے اندازِ بیان کے مالک، مولانا مناظر احسن گیلانی ''الدین القیّم'' میں لکھتے ہیں:

> ''ابتدا میں، میں نے فلسفیوں کے اس گروہ کا ذکر کیا تھا جو سارے عالم کو چند گنے گنائے اوصاف پر ختم کر دیتے ہیں، ان کو نارنگی میں زردی، ترشی، طول وغیرہ چند صفات کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ شجر و حجر، قرات

---

۱) پروفیسر محمد بشیر، فلسفہ مغرب کی تاریخ، پورب اکادمی، اسلام آباد، سن اشاعت ۲۰۱۰ء، طبع دوم، ص ۱۷۳۔

وسیارات، شمس وقمر، سب کو صرف رنگ وروشنی کے مختلف مظاہر سمجھتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ ان دوصفتوں یعنی ''رنگ وروشنی'' کو عالم سے سلب کرلوتو پھر آنکھ کے لئے یہاں کچھ بھی نہیں رہتا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ رنگ بھی بال آخر روشنی ہی کے چند بھیسوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔''(۱)

رویت کا اصول

کیمرے کی ایجاد جس اصول کی مرہون منت ہے، وہ یہ ہے کہ آنکھ کیسے دیکھتی ہے،کوئی چیز کیسے نظر آتی ہے؟ آیا آنکھ سے روشنی نکلتی ہے اور چیزوں پر پڑتی ہے؟ یا چیزوں پر روشنی پڑتی ہے اور آنکھ تک پہنچتی ہے؟ بالفاظ دیگر آنکھ ڈیلیور (Deliver) ہے یا ریسیور (Receiver) جب تک یہ راز دریافت اور یہ معمہ حل نہ ہوا تھا، کیمرے کی ایجاد ایک خواب وخیال سے زیادہ نہ تھی۔

اس بارے میں قدیم حکماء کا نظریہ تھا کہ آنکھ سے روشنی کی کرنیں نکلتی ہیں اور جس

---

۱) مولانا سید مناظر احسن گیلانی، الدین القیم، معجزات وخوارق ایک عام غلط فہمی، مرتب ومدون: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، مکتبہ اسعدیہ، کراچی، اشاعت دوم، ۲۰۱۰، ص ۱۱۲۔

حاصل یہ ہے کہ روشنی کے ذریعے اور وسیلے سے آنکھ دیکھ پاتی ہے اور یہی روشنی کے متعلق عوامی تصور ہے، مگر محققین اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ انسان حقیقت میں روشنی کو ہی دیکھتا ہے۔ مولانا مناظر احسن کے مذکورہ بالا اقتباس کے اختتامی سطر میں وضاحت سے درج ہے کہ ''روشنی کو عالم سے سلب کرلوتو پھر آنکھ کے لئے یہاں کچھ نہیں بچتا''۔

جبکہ حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لکھتے ہیں:

''یوں تو سارے اجسام معروض نور ہوتے ہیں اور اسی کے اعتبار سے سب محسوس ہوتے ہیں، اگر وہ نہ ہوتو پھر احساس اشکال اجسام، اور دیدار الوان اجسام کی کوئی ضرورت نہیں۔ غرض اصل میں نور ہی نظر آتا ہے، اور اسی کی یہ رنگا رنگی الوان ہوتی ہے۔'' (قبلہ نما، کتب خانہ قاسمی، دیوبند، طبع دوم، سن اشاعت ۱۹۲۶ء، ص ۱۹۔)

چیز پر پڑتی ہیں وہ نظر آ جاتی ہے، یہ لوگ اس نظریے کے حق میں جیومیٹری کے دلائل دیتے تھے، لیکن مسلمان سائنس دان ''ابوعلی حسن ابن الہیثمؒ'' نے جو بصریات کے امام گزرے ہیں، اور جن کی کتاب ''کتاب المناظر'' اس موضوع پر درجہ اول کی کتاب ہے، اور نور اور روشنی کے بارے میں یورپ کی معلومات کا ماخذ اور ان کی تصنیفات کے لئے اصل الاصول ہے، انہوں نے اس قدیم نظریے کو غلط قرار دیا کہ آنکھ سے شعاعیں نکلتی ہیں اور اپنے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں ثابت کیا کہ ''روشنی کی موجودگی میں آنکھوں سے کسی قسم کی شعاعیں یا کرنیں باہر نہیں نکلتی ہیں، اور نہ ہی ایسی کرنوں کا کوئی وجود ہے البتہ تحقیق اور تجربے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب روشنی کسی جسم پر پڑتی ہے تو روشنی کی شعاعیں اس جسم کی مختلف سطحوں سے پلٹ کر پھیل جاتی ہیں، ان شعاعوں میں سے کچھ شعاعیں دیکھنے والے کی آنکھوں میں داخل ہو جاتی ہیں تو وہ شئے آنکھوں کو نظر آنے لگتی ہے۔'' (۱)

۱) ابوعلی حسن ابن الہیثمؒ فن طبعیات کے مسلمان علماء میں خاص مقام رکھتا ہے، ریاضی، ہیئت، فلسفہ اور طب وغیرہ میں اس نے متعدد کتابیں لکھیں ہیں۔ جس خاص کتاب کی وجہ سے اُسے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوا وہ اس کی تصنیف ''کتاب المناظر'' ہے، جو علم المناظر سے متعلق ہے۔ اس کتاب کا اصلی نسخہ ناپید ہے، مگر اس کا ترجمہ ۱۵۷۲ء میں لاطینی زبان میں ہوا (اور کریمونا کے جرارڈ نے شاید اس سے بھی پہلے کیا) جس سے قرون وسطیٰ میں علم المناظر کی ترقی میں بہت مدد ملی۔ قرون وسطیٰ کے تقریباً تمام مصنفوں نے حسنؒ کی کتاب کو اپنی تصنیفوں کا اصل اصول قرار دیا ہے۔ اب تک اس کے جتنے مخطوطات کا علم ہوا ہے وہ سب استنبول کے مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔ ''کتاب المناظر'' کے لاطینی ترجمے کے متعدد قلمی نسخے یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ چودھویں صدی عیسوی میں اس کتاب کا اطالوی زبان میں بھی ترجمہ ہوا، جس کا واحد قلمی نسخہ ویٹی کن میں محفوظ ہے۔ کمال الدین الفارسی نے اس کی شرح بہ عنوان ''تنقیح المناظر'' قلم بند کی تھی۔ بہرکیف اس میں شک نہیں کہ اس لاطینی ترجمے کی مدد سے ابن الہیثم کے نظریات نہایت کامیابی سے ازمنہ وسطیٰ، نشاۃ ثانیہ اور مغرب کے سترھویں صدی عیسوی کے فلاسفہ تک منتقل ہو گئے۔ (مرتبہ عملہ ادارت، معروف مسلم سائنسدان اور ان کے کارنامے، اردو سائنس بورڈ، لاہور، اشاعت پنجم، ۲۰۰۶ء۔ نیز: ڈاکٹر زاہد علی، تاریخ فاطمیین مصر، ط: میر محمد کتب خانہ، کراچی، ص: ۴۰۱۔)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ''آب حیات'' میں ایک سادہ مگر وزنی اور عام فہم دلیل اس طرح دی ہے کہ اگر آنکھ سے نور نکلتا تو پھر اندھیرے میں بھی اشیاء نظر آجانی چاہئے تھیں۔ فرماتے ہیں:

''......آفتاب وقمر وشمع وچراغ وغیرہ اشیاء نورانی کی شعاعیں اشیاء مبصرہ پر واقع ہوکر بوجہ انعکاس حدقۂ چشم تک پہنچ جاتی ہیں اور پھر ذریعۂ ادراک ہوجاتی ہیں اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ابصار میں انوار کی حاجت ہوتی ہے، ورنہ ابصار بخروجِ اشعہ ہوا کرتا تو پھر ضرورتِ انوارِ خارجہ کی کوئی وجہ بن نہیں پڑتی......''(۱)

شیخ محمد بن حسین الجسر الطرابلسیؒ نے بھی اپنی کتاب ''الرسالة الحميدية'' میں یہی بات لکھی ہے کہ اشیاء سے نور منعکس ہوتا ہے:

''...إن العامل برسم صور المرئيات في العين هو النور الواقع على المرئيات والمنعكس عنها إلى داخل العين...''.(۲)

ترجمہ: ''آنکھ میں اشیاء نظر آنے کی وجہ وہ نور ہے جو چیزوں پر پڑتا ہے اور ان سے منعکس ہوکر آنکھ میں داخل ہوتا ہے۔''

۱) حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی، آب حیات، مطبع مجتبائی، دہلی ص: ۲۲۴۔

۲) الرسالة الحميدية في حقيقة الديانة الاسلامية وحقيقة الشريعة المحمدية، الكلام على ماقالوا من أن النوريرسم الصورة على الشبكية مقلوبة، ط:ادارة الطباعة المنيرية ، مصر،ص:۱۹۵

فصل دوم

کیمرا

کیمرے کی ایجاد

یونانیوں اور تمام دنیا کی یہ غلطی درست کرنے کے بعد کہ آنکھ سے شعاع بصر نہیں نکلتی، بلکہ تمام چیزوں کی شبیہ آنکھ میں آ کر بنتی ہے، تحقیق کا بند دروازہ دنیا پر کھل گیا اور کیمرے کی ایجاد ممکن ہوئی۔ آنکھ کی ساخت کے اصول پر ہی کیمرا ایجاد کیا گیا ہے اور کیمرا آج بھی اپنے طریقہ کار میں بڑی حد تک آنکھ کے اصولوں پر کام کرتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ آلات کی شکلیں بدلی ہیں، کوالٹی بہتر ہوئی ہے اور طریقہ کار میں بھی کچھ تبدیلی آئی ہے، لیکن اس کے پس پشت بنیادی قانون وہی ہے جو کیمرے کی ایجاد کے وقت تھا۔(۱)

۱) اندر سیاہ کیے ہوئے سوراخ دار خانے پر مشتمل عکس فگن آلہ، تاریک کمرا جو بیرونی منظر کو ایک اندرونی پردے پر منعکس کرتا ہے۔ (حقی، شان الحق، اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء، اشاعت دوم ص: ۲۲۵) تاریک عکاسہ جس سے دور کی چیزوں کا عکس ایک تاریک کمرے میں کاغذ پر پڑتا ہے۔ (بابائے اردو مولوی عبدالحق، اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری، c.obsura، انجمن ترقی اردو ادب، کراچی،، ۱۹۸۵ء/۱۴۰۲ھ، اشاعت چہارم، ص ۱۴۱۔) بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر۔

کیمرے کا مقصد

کیمرا بنیادی طور پر ایک برقی آلہ ہے، جس کا تعلق باصرہ کے ساتھ ہے۔ یہ آلہ اشیاء کا ''بصری ریکارڈ'' محفوظ رکھنے کی غرض سے ایجاد کیا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس غرض سے متعلقہ آلات بھی ایجاد ہوتے گئے مثلاً ٹی وی اس بصری ریکارڈ کو دور سے دکھاتا ہے جب کہ ویڈیو کیسٹ اور سی ڈی وغیرہ میں بصری ریکارڈ محفوظ ہوتا ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) Camera اصل میں لاطینی زبان میں Camer تھا، اور قرون وسطیٰ میں یہ ''ایوان'' یا ''کمرا'' کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا، اردو زبان میں بھی ''کمرا'' کا لفظ پرتگالی زبان سے آیا ہے۔ سولھویں صدی عیسوی میں ایک اطالوی سائنسدان نے ایک تاریک کمرے میں چھوٹا سا سوراخ کیا اور اس میں سے سورج کی روشنی اس طرح سے آنے دی کہ وہ براہ راست کمرے کے اندر داخل نہ ہو، بلکہ کمرے سے باہر کی چیزوں سے منعکس ہو کر آئے، یعنی کمرے سے باہر کسی چیز کا عکس کمرے کی اندر کی دیوار پر ڈال دیا جس کے نتیجے میں سوراخ کے سامنے کی دیوار پر کمرے سے باہر کی چیزوں کا الٹا عکس نظر آنے لگا، اس کو Camera Obscura (تاریک کمرا) کا نام دیا گیا۔ Obscura لاطینی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی تاریک ہے۔ اس زمانے اسی تاریک کمرے کے ذریعے کسی چیز کا عکس کاغذ پر حاصل کر کے ہاتھ سے اس پر قلم پھیر لیا جاتا تھا، مگر اس کے ذریعے آج کے کیمرے کی طرح تصویر نہیں کھینچی جا سکتی تھی، اس کے بعد ایک وقت آیا کہ اشیا کے نقوش کاغذ پر حاصل کیے جانے لگے، لیکن یہ نقوش گہرے اور مستقل نہ تھے۔ آخر ایک وقت آیا کہ ماہرین نیگیٹیو شبیہ لینے اور پھر اُسے پازیٹیو بنانے میں کامیاب ہو گئے، غرض بے شمار مراحل طے کرنے کے بعد کیمرا موجودہ شکل تک پہنچا ہے۔ (جمیل احمد ''سائنسی اصلاحات اور اُن کا پس منظر''، ط: اردو سائنس بورڈ، لاہور)

کیمرا آبسکیورا کے لفظی معنی ہے: تاریک خانہ، یہ نام ایک تاریک کمرے یا ڈبے کی وجہ سے رکھا گیا، جس میں ایک طرف سے ایک چھوٹا سا سوراخ کیا گیا، اس طرح کے ڈبے کی ابتداء دراصل سورج گرہن کو آنکھوں کے لئے کوئی خطرہ پیدا کئے بغیر دیکھنے کے لئے ہوئی تھی۔ طویل عرصہ تک لوگوں کے نزدیک اس کا یہی استعمال رہا، لیکن مصوروں نے اُسے استعمال کرنا شروع کر دیا، تاکہ چیزوں کا درست ترین عکس یا شبیہ بنانے کے لئے آسانی رہے۔ (طاہر منصور فاروقی، ترجمہ بنام: سو عظیم ایجادات، شاہ محمد پرنٹرز، لاہور، ص ۲۶۲۔)

بصری ریکارڈ اگر بے جان اشیاء کا ہوتو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن جان دار کی بصری یادداشت محفوظ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فی الحال اس بحث کے تصفیہ کا موقع نہیں، لیکن سردست اتنا جاننا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ جان دار کی شبیہ محفوظ رکھنا ہی اکثر فتنے کا باعث ہوا ہے۔

کیمرے کا طریقہ کار

کیمرا پہلے عکس لیتا ہے، پھر اُسے محفوظ کرتا ہے اور پھر اُسے کاغذ یا اسکرین پر ظاہر کر دیتا ہے، گویا کیمرا تدریجی طور پر شبیہ سازی کرتا ہے، ان تینوں مرحلوں کو درج ذیل ناموں سے موسوم کرتے ہیں:

ا:...... عکس کا حصول (Formation)

۲:...... عکس کا ضبط (Persistence)

۳:...... عکس کا اظہار (Presentation)

ان تینوں مرحلوں کا اگر فنی تجزیہ کیا جائے تو ان میں سے ہر پہلا اگلے کے لئے بنیاد اور ہر اگلا پچھلے پر مبنی معلوم ہوتا ہے اور ان تینوں سے گزر کر ایک مصنوعی منظر نگاہوں کے سامنے آتا ہے، تاہم یہ تینوں مرحلے اس قدر سرعت اور سہولت کے ساتھ مکمل ہوتے ہیں کہ آنکھ کو ایک ہی مرحلہ محسوس ہوتے ہیں۔

پہلا مرحلہ "حصول عکس" کا ہے۔ اس مرحلے پر گفتگو سے پہلے "نفس عکس" پر گفتگو ضروری ہے، کیونکہ عکس کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد ہی کیمرے کے آلۂ عکاسی یا تصویر سازی ہونے کے متعلق کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

فصل سوم

عکس

لغوی معنی

عکس کا لفظی معنیٰ ”اُلٹ دینا“ ہے اور انعکاس کا مطلب ”اُلٹ جانا“ ہے۔ روشنی کا قانون ہے کہ وہ بالکل سیدھ میں سفر کرتی ہے اور بے سہارا سفر کرتی ہے، مگر دورانِ سفر جب کسی جسم سے ٹکراتی ہے تو تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوتی ہے:

۱:...... یا تو جسم میں سے پار ہو جاتی ہے، جیسے: ہوا اور صاف پانی اور شفاف شیشے سے روشنی پار ہو جاتی ہے۔

۲:...... یا اس میں جذب ہو جاتی ہے، جیسے: گیند جب گارے پر پڑتی ہے تو اس میں دھنس جاتی ہے۔

۳:...... یا پھر اُس سے ٹکرا کر لوٹ جاتی ہے، جیسے: گیند جب دیوار سے ٹکراتی ہے تو اُدھر کو جاتی ہے جدھر سے آتی ہے۔

جسم کی اقسام

ابن الہیثمؒ کی تعبیر اس بارے میں بہت دقیق، علمی اور جامع ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

جسم دو قسم پر ہوتے ہیں:

۱:.....نورافشاں جسم۔

۲:.....بےنور جسم

نور افشاں جسم وہ ہوتا ہے جو خود روشنی دیتا ہے، جیسے: سورج، چراغ وغیرہ اور بے نور جسم وہ ہوتا ہے جو خود روشنی نہیں دیتا ہے، بلکہ اس پر روشنی پڑتی ہے تو وہ منور ہو جاتا ہے۔

پھر اس جسم کی تین قسمیں ہیں:

۱:.....شفاف جسم، جس سے روشنی آر پار ہو جاتی ہے، جیسے: ہوا، صاف پانی، صاف وشفاف شیشہ وغیرہ۔

۲:.....نیم شفاف جسم، جس سے روشنی صاف نہ گزر سکے، جیسے: نہایت باریک کپڑا، رگڑا ہوا شیشہ وغیرہ۔

۳:.....غیر شفاف جسم، جس سے روشنی بالکل پار نہ ہو سکے اور دوسری طرف کی اشیاء بالکل نظر نہ آئیں۔(۱)

عکس کی حقیقت

اجسام کی اقسام اور روشنی کے قانون کے بعد عکس کا سمجھنا آسان ہے۔عکس اس طرح بنتا ہے کہ روشنی جب غیر شفاف جسم پر پڑتی ہے تو اس سے ٹکرا کر مخالف سمت میں سفر شروع کر دیتی ہے۔ اب اگر یہی پلٹ کر آنی والی روشنی آنکھ تک پہنچ جائے تو وہ جسم نظر آجاتا ہے اور اگر آنکھ تک براہ راست پہنچنے کی بجائے آئینے وغیرہ سے پلٹا کھا کر آنکھ تک پہنچے تو وہی چیز آئینے میں نظر آنے لگتی ہے، اسی آئینے میں نظر آنی والی چیز کو عکس کہتے ہیں۔

جب ہم آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو روشنی کی لہریں ہمارے جسم پر پڑتی ہیں اور ہمارے جسم کی شکل وصورت بناتی ہوئی آئینے کی طرف جاتی ہیں اور آئینے سے پلٹا

۱) رفیق انجم، ابراہیم عمادی، ۱۰۰ عظیم مسلم سائنسدان،، ط: دار الشعور، لاہور، ص: ۱۸۷۔

کر واپس آنکھ تک پہنچتی ہے۔ یوں لہروں کے انعکاس کے نتیجے میں آئینے میں ہمیں اپنی صورت نظر آتی ہے۔ خود آئینے میں کچھ نہیں ہوتا، جو کچھ ہوتا ہے ہماری اپنی پرچھائیاں ہوتی ہیں۔ جب تک ہم آئینے کے مقابل کھڑے رہتے ہیں تب تک لہروں کے ٹکراؤ اور پلٹاؤ کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ہر لمحہ ہمارا عکس بنتا رہتا ہے اور جب ہم آئینے کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں تو روشنی کے آئینے تک پہنچنے اور پھر وہاں سے ٹکرا کر پلٹنے کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے، نتیجۃً ہمارا عکس بھی غائب ہو جاتا ہے۔

عکس کے تشکیلی اجزاء

اس تفصیل سے ایک تو یہ واضح ہے کہ عکس کا مادہ روشنی ہے، دوسرے یہ کہ بالواسطہ نظر آنے والی چیز عکس ہوتی ہے اور یہ نتیجہ بھی صاف نکلتا ہے کہ عکس کے وجود اور تشکیل پذیری میں تین چیزوں کا دخل ہوتا ہے:

۱:......جسم

۲:......آئینہ

۳:......روشنی

مثلاً آئینے کے سامنے جسم ہی نہ ہو، یا جسم تو ہو لیکن آئینہ ہی نہ ہو، یا دونوں ہوں، لیکن روشنی نہ ہو تو عکس بھی نظر نہیں آ سکتا، بلکہ عکس بن ہی نہیں سکتا، کیونکہ عکس کا مادہ ہی روشنی ہے۔

جسم نہ ہوں تو عکس کس کا بنے؟

اور روشنی نہ ہو تو عکس کس سے بنے؟

اور آئینہ نہ ہو تو انعکاس کدھر سے ہو؟

معلوم ہوا کہ تینوں کا وجود عکس کے وجود کے لئے ضروری ہے، مگر کیمرا ایک مرتبہ عکس اتارنے کے بعد صاحب عکس سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور جو شبیہ ٹی وی کے آئینے پر نظر آتی ہے، وہ اصل سے لاتعلق اور اس کے غائب ہونے کے باوجود برقرار رہتی ہے۔

عکس کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد اب کیمرے کے ذریعے حصول عکس پر گفتگو مناسب معلوم ہوتی ہے۔

فصل چہارم

کیمرا اور عکاسی

پہلا مرحلہ: عکس کا حصول

پہلے گزر چکا ہے کہ کیمرا آنکھ کے اصولوں پر کام کرتا ہے۔ آنکھ قدرتی عطیہ اور بینائی کا فطری آلہ ہے، اس کے باوجود روشنی کا محتاج ہے، تو یہ مصنوعی آلہ روشنیوں سے کیسے بے نیاز ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ قدیم ہو یا جدید، ہر کیمرا روشنی کے ذریعے پہلے عکس لیتا ہے۔ بعض کیمرے اسی مقصد کے لئے منظر پر سفید رنگ کی تیز روشنی ڈالتے ہیں۔ روشنی جب منظر سے پلٹتی ہے تو اس کی شکل وصورت بناتی ہوئی کیمرے میں داخل ہوتی ہے اور کیمرے کا عدسہ انہیں ایک نقطہ پر مرکوز کر لیتا ہے۔ یوں عکس لینے کا عمل تمام ہوجاتا ہے۔

عکس اتارنے کے سلسلے میں تمام کیمروں کا بنیادی عمل ایک جیسا ہے، اس لئے حصولِ عکس کے بارے میں قدیم اور جدید کیمروں پر الگ سے بحث کی ضرورت نہیں رہتی ہے، تاہم عکس محفوظ کرنے کے سلسلے میں مختلف کیمروں کا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے، اس لئے اختصار کے ساتھ اس فرق کو بیان کیا جاتا ہے۔

دوسرا مرحلہ: عکس کا ضبط (روایتی کیمرے کا طریقہ کار)

روایتی کیمرے میں ریل کے فیتے پر کیمیائی مادے کی تہہ بچھائی جاتی ہے جو باریک باریک دانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ عکس بناتی ہوئی روشنیاں جب ان باریک اور حساس دانوں پر پڑتی ہیں تو وہ اپنی کیمیائی ماہیت بدل کر عکس کے مطابق شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یوں تصویری نقوش کی صورت میں عکس ان پر محفوظ ہو جاتا ہے، جو صفائی و دھلائی کے ایک طویل عمل کے بعد قابل دید ہو جاتا ہے۔ ایسے عکس کا کاغذ پر پرنٹ لیا جاسکتا ہے اور اس میں سے روشنی گزار کر پردے پر اس کا عکس ڈالا جاسکتا ہے، مگر بحالتِ موجودہ اُسے نشر نہیں کیا جاسکتا۔ نشر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے جدید طریقے کے مطابق اس کی نقل لی جائے اور پھر اس کی برقی تقطیع کی جائے اور پھر اسے نشر اور وصول کیا جائے۔

ویڈیو کیمرے کا طریقہ کار

ویڈیو کیمرے میں عکس کو مقناطیسی اشاروں کی صورت میں محفوظ کیا جاتا ہے، مگر اس میں عکس غیر مرئی ہوتا ہے، جیسا کہ آڈیو کیسٹ میں آواز غیر مرئی ہوتی ہے، اور جس طرح آڈیو کیسٹ میں آواز کی لہریں غیر مرئی ہونے کے باوجود محفوظ ہوتی ہیں، اسی طرح ویڈیو کیمرے میں عکس کے اشارے بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو مشہود نہیں وہ موجود بھی نہیں، تاہم عکس تصویری نقوش کی صورت میں محفوظ نہیں ہوتا، لیکن جب مطلوبہ آلے سے منسلک کر کے اُسے اسکرین پر لاتے ہیں تو وہ مقناطیسی اشارے ترتیب سے ترکیب پا کر پھر اصل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

ٹی وی کیمرے کا طریقہ کار

''ٹی وی'' کا لفظ ''ٹیلی ویژن'' کا مخفف ہے۔ ٹیلی کے معنیٰ ''دور'' کے ہیں اور ویژن کا مطلب ''دیکھنا'' ہے، یعنی دور کی چیزوں کو دیکھنا، اسی نسبت سے اُسے ہندی میں دور درشن کہتے ہیں۔ آسان لفظوں میں ''صورتوں اور آوازوں کو دور تک پہنچانے والے

آلے کو ٹی وی کہتے ہیں۔‘‘فنی زبان میں اس سے مراد ایسا طریقہ کار ہے جس میں منظر کو متعلقہ آواز سمیت ریڈیائی لہروں کی صورت میں نشر اور وصول کیا جاتا ہے۔

ٹی وی کیمرا روشنی کی لہروں کو برقی ذرات میں بدل دیتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ٹی وی کے سگنلز برقی طور پر نشر کئے جاتے ہیں، اس لئے روشنی کی لہروں کو برقی لہروں میں منتقل کرنا ضروری ہوتا ہے، بصورتِ دیگر اس کا ارسال ممکن نہیں ہے۔ برقی لہروں میں تبدیلی کے بعد ہوا کے ذریعے انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ ارسال کر دیا جاتا ہے اور دوسرا آلہ انہیں وصول کرلیتا ہے۔ اسکرین پر جب ان برقی لہروں کا ترتیب سے اجتماع ہوتا ہے تو وہی صورت دوبارہ بن جاتی ہے جو کیمرے نے وصول کی ہوتی ہے۔

ڈیجیٹل کیمرے کا طریقہ کار

ڈیجیٹل کیمرے میں روشنی کے معاملے میں انتہائی حساس آلہ ہوتا ہے۔ جب روشنی کی لہریں اس پر پڑتی ہیں تو وہ انہیں برقی رو میں بدل دیتا ہے۔ برقی رو کی مقدار کے متعلق تفصیل اعداد کی صورت میں محفوظ کرلی جاتی ہے اور پھر اسی تفصیل کے مطابق نئی روشنیاں پیدا کر کے اصل جیسا منظر وجود میں لایا جاتا ہے۔ ڈیجیٹل کیمرے کے متعلق مزید بحث آگے آئے گی۔

عکس کے ضبط کے سلسلے میں یہ مختلف کیمروں کا مختصر سا تعارف تھا۔ ماہرین کے بقول عکس کے بنیادی اصول آج بھی وہی ہیں جو اولین کیمرے کی ایجاد کے وقت تھے، ان میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی ہے، جو کچھ تبدیلی آئی ہے وہ عکس محفوظ کرنے کے سلسلہ میں آئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ طریقۂ حفاظت کا فرق فنی نقطہ نظر سے کچھ اہمیت رکھتا ہو، مگر شرعی نگاہ اُسے غیر اہم سمجھتی ہے۔

تیسرا مرحلہ: عکس کا اظہار

تیسرے مرحلے میں عکس کو کسی ذریعہ پر ظاہر کر دیا جاتا ہے، یہ ذریعہ ٹی وی کی

اسکرین، کمپیوٹر مانیٹر، عام کاغذ، فوٹو گرافک پیپر یا پردۂ سیمیں وغیرہ کوئی بھی چیز ہوسکتی ہے، بلکہ اب تو ہوا میں بھی شبیہ کو ظاہر کرنا ممکن ہوگیا ہے۔ یہی اصل اور مقصودی مرحلہ ہوتا ہے۔ اور اس سے پہلے کے دو مرحلے اس مقصد کے لئے قائم کئے جاتے ہیں۔

تیسرے مرحلہ کا حاصل

اس تیسرے مرحلے میں جو چیز نگاہ کے سامنے آتی ہے اس کی مثال شروع میں گزر چکی کہ وہ اصل میں روشنی کے چھوٹے چھوٹے نقطے ہوتے ہیں، یہ نقطے برقی ذرے ہوتے ہیں اور برقی ذرے روشنی کی لہریں ہوتی ہیں جو منظر سے خارج ہوکر کیمرے میں داخل ہوتی ہیں۔ یہی روشنی کی لہریں برقی تصویر کا نقطۂ آغاز ہوتی ہیں، ان ہی میں منظر چھپا ہوا ہوتا ہے اور ان ہی کو فنی ضرورت کے تحت کبھی برقی رموز اور برقی سگنلز اور کبھی ذروں میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

ان تینوں مرحلوں کی مختصر تشریح سے کھل کر یہ بات سامنے آگئی کہ برقی تصویر اول و آخر روشنیوں کا کھیل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بحث کا آغاز روشنی کے اصولوں سے کیا گیا۔ روشنی کی بحث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آنکھ اور کیمرے کا گہرا ربط ہے، دونوں کی افادیت روشنی پر موقوف ہے اور کیمرے کی بنیاد آنکھ کے اصولوں پر ہے اور کیمرے کا طریقہ کار بڑی حد تک آنکھ کے طریقہ کار کے مشابہ ہے۔

فصل پنجم

ڈیجیٹل ٹیکنالوجی
(Digital Technology)

تعارف

شروع شروع میں فلم یا پلیٹ پر عکس محفوظ کیا جاتا تھا، روایتی کیمروں میں آج بھی یہی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے، اگر چہ اس طریقہ کار کو بہت زیادہ شہرت اور پذیرائی حاصل ہوئی، مگر ایک تو ریل کے استعمال پر اخراجات بہت آتے ہیں، دوسرے موسمی اثرات اور تغیرات سے تصویر کے نقوش بھی متاثر ہوجاتے ہیں، ریل چڑھانے اور نکالنے کی محنت ومشقت اس کے علاوہ ہے، اور پھر مطلوبہ مہارت کے ساتھ اور خاص مقام پر ریل کی صفائی ودھلائی بھی ایک طویل اور صبر آزما کام ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر ایک ایسی ٹیکنالوجی متعارف کرائی گئی جو مذکورہ عیوب ونقائص سے خالی ہے اور نقل وحکایت کے مقصد کی اعلیٰ پیمانے پر اور عمدہ طریقے سے تکمیل کرتی ہے۔ اس نئی ٹیکنالوجی کو ڈیجیٹل سسٹم کہا جاتا ہے، اور اس کی خوبیوں کے اعتراف میں نوے کی دہائی کو ڈیجیٹل ایج (Degital Age) کا نام دیا گیا ہے۔

ڈیجٹ (Digit) عدد کو کہتے ہیں، اس لئے ڈیجیٹل (Digital) کا مطلب ''عددی یا عدد پر مبنی'' ہوا، اور ڈیجیٹلائز (Digitalize) کا مطلب عددی بنانا یا اعداد میں ڈھالنا ہے۔(۱)

ڈیجیٹل گھڑی وہ ہوتی ہے جو بجائے سوئیوں کے ہندسوں میں وقت بتاتی ہے۔ اس نظام میں چونکہ آواز اور تصویر کے متعلق معلومات کو عددی طریقے سے یا اعداد کے وسیلے سے محفوظ کیا جاتا ہے، اس لئے اُسے ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کہا جاتا ہے۔

نوے کی دھائی کو ''ڈیجیٹل دور'' کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس میں ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی نے برقی ساز وسامان اور آلات کو ڈیجیٹل بنا دیا، ان میں Compact disc (CD چپ)، ڈیجیٹل کیمرا، ڈیجیٹل ویڈیو ڈسک (DVD) اور سب سے بڑھ کر ڈیجیٹل ٹیلی ویژن شامل ہیں۔(۲)

اس نظام میں ڈیٹا اعداد کی صورت میں محفوظ کیا جاتا ہے، مگر ایک دو تین کی صورت میں ہمارے معروف اور جانے پہچانے اعداد استعمال نہیں کئے جاتے ہیں، بلکہ بائنری نمبر سسٹم یعنی ثنائی نظام استعمال کیا جاتا ہے۔ ثنائی نظام حساب وکتاب کا ایسا قاعدہ ہے جس میں گنتی ایک اور صفر کے درمیان محدود رہتی ہے۔ ڈیجیٹل آلات میں جب بھی ڈیٹا محفوظ کرنے کی بات ہوتی ہے تو اس سے صفر اور ایک کا مجموعہ ہی مراد ہوتا ہے۔

مثال سے توضیح

ڈیجیٹل تکنیک کی وضاحت کے لئے ہم کمپیوٹر کی مثال لے سکتے ہیں۔ کمپیوٹر ایک

---

۱) شان الحق حقی، اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء، اشاعت دوم ص: ۴۲۵۔

۲) راشد اشرف، جدید صحافتی انگریزی (اردو لغت)، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۶ء، اشاعت اول، ص: ۱۰۱۔

برقی آلہ ہے، یعنی بجلی کی مدد سے چلتا ہے۔ اگرچہ تمام برقی آلات کو چلنے کے لئے بجلی کی ضرورت ہوتی ہے، مگر کمپیوٹر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ڈیٹا بھی بجلی کی شکل میں محفوظ ہوتا ہے، کیوں کہ کمپیوٹر کی تمام بات چیت ڈیجیٹل ہوتی ہے، یعنی اس میں صرف ہندسے استعمال ہوتے ہیں، اور یہ ہندسے بھی دراصل برقی لہریں ہوتی ہیں، جو مثبت اور منفی چارج کی نمائندگی کرتی ہیں اور ان میں تصویر اور آواز کے متعلق تفصیل چھپی ہوتی ہے۔

مختصراً یہ کہ ڈیجیٹل سسٹم میں تصویریں اعداد کی صورت میں محفوظ ہوتی ہیں اور اعداد دراصل برقی لہریں ہوتی ہیں، اس لئے کہنا درست ہوا کہ کمپیوٹر میں ڈیٹا (تصویریں) بجلی کی شکل میں محفوظ ہوتا ہے۔

کمپیوٹر صرف دو ہندسوں کی مدد سے ڈھیروں حروف مختلف آوازوں اور رنگ برنگی تصویروں کس طرح محفوظ کرتا ہے؟ کمپیوٹر دانوں نے تمام اعداد، حروف اور علامات کے لئے، یہاں تک کہ تمام بنیادی رنگوں اور آوازوں کے لئے مشینی علامات مقرر کی ہیں، ان ہی علامات کی صورت میں کمپیوٹر میں چیزیں محفوظ ہوتی ہیں، بلکہ جو بھی آلات ڈیٹا کو محفوظ رکھتے ہیں جیسے: ہارڈ ڈسک، فلاپی ڈسک، سی ڈی روم وغیرہ ان میں بھی ڈیٹا اسی شکل میں محفوظ ہوتا ہے۔

ڈیجیٹل سسٹم کے مختصر تعارف کے بعد اب ڈیجیٹل کیمرے کے عمل کو سمجھنا آسان ہے۔

ڈیجیٹل کیمرا

عکس کیا ہے......؟ روشنیوں کا مجموعہ ہے۔

خود روشنیاں کیا ہیں......؟ لطیف کرنیں ہیں۔

پیچھے گزر چکا ہے کہ روشنیاں منظر کے رنگ وروپ اور شکل وصورت کی حامل ہوتی ہیں۔ یہی روشنیاں جب کیمرے میں داخل ہوتی ہیں تو کیمرے کا عدسہ انہیں ایک نقطے پر

مرکوز کرلیتا ہے، جب کہ ڈیجیٹل کیمرے میں روشنی کے معاملے میں انتہائی حساس آلہ ہوتا ہے جو روشنی کو ضبط کرکے اُسے برقی قوت میں بدل دیتا ہے اور برقی قوت کی قدر وقیمت کو ڈسک پر محفوظ کرلیتا ہے۔ پھر ایک اور آلہ اسی قوت اور طاقت کی روشنیاں پیدا کردیتا ہے جو اصل کی ہو بہو ہوتی ہیں۔ یہ روشنیاں جب اسکرین پر پڑتی ہیں تو ان کے اجتماع سے تصویر بن جاتی ہے۔

بہرحال ڈیجیٹل کیمرے میں اور ایک عام کیمرے میں ابتدائی عمل بالکل یکساں ہوتا ہے، تاہم عکس محفوظ کرنے کا طریقہ دونوں کا مختلف ہے۔ عام کیمرے میں فلم یا پلیٹ ہوتی ہے، جب کہ ڈیجیٹل کیمرے میں کوئی فلم نہیں ہوتی، بلکہ روشنی کی حساسیت رکھنے والا ایک آلہ ہوتا ہے جو روشنی کو برقی رو میں بدلتا ہے۔ یہی دونوں کا بنیادی فرق ہے۔

علاوہ ازیں: ڈیجیٹل کیمرا منظر کے تمام رنگوں کو ضبط نہیں کرتا ہے، بلکہ صرف سرخ، سبز اور نیلے رنگوں کو نوٹ کرتا ہے، کیوں کہ یہ تینوں بنیادی رنگ سمجھے جاتے ہیں اور ان کے مناسب امتزاج سے کوئی سا بھی رنگ تیار کیا جاسکتا ہے، جب یہ تینوں ایک مرتبہ ضبط کرلئے جائیں تو پھر ان کی مدد سے دوبارہ پورا منظر تیار کیا جاسکتا ہے۔

حاصل صرف اتنا ہے کہ ''روشنی کو فنی عمل سے گزار کر پھر قابل دید بنادیا جاتا ہے'' مگر اس فنی عمل کے نتیجے میں روشنی کی طبعی حالت (Physical State) برقرار نہیں رہتی بلکہ بجلی میں بدل جاتی ہے اور جو روشنی ناظر کو اسکرین پر نظر آتی ہے وہ منظر کی اصل روشنی نہیں ہوتی، بلکہ اس کی نقل اور مشابہ ہوتی ہے۔ ان نقل بہ مطابق اصل روشنیوں کے ذریعے اصل جیسا منظر تشکیل دیا جاتا ہے۔

ہولوگرام اور ورچیول ریالٹی

کیمرے کی ایجاد سے جس فن کی ابتدا ہوئی تھی، ڈیجیٹل تیکنیک کی بدولت وہ اب عروج کو پہنچ گیا ہے، اور ابھی فنی ترقی کا یہ سلسلہ جاری ہے، طبیعتوں کو چین ہے، نہ ترقی کی انتہا ہے، سائنس نے ابھی بعض راہوں پر چلنا شروع کیا ہے، رفتار نہیں پکڑی ہے،

بعض تاروں کوصرف چھوا ہے، چھیڑا نہیں ہے۔ عزائم بہت بلند اور ارادہ بہت دور تک جانے کا ہے۔

اب ایسی ٹیکنالوجی عام ہورہی ہے جس میں منظر اسکرین کے پیچھے تک محدود نہیں رہتا ہے، بلکہ انسان کے ساتھ جیتی جاگتی زندگی میں شامل ہوجاتا ہے۔ منظر کو کسی ٹھوس سطح پر ظاہر کرنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ پانی اور ہوا پر بھی اُسے ظاہر کیا جاتا ہے۔ انسان اسکرین کے پیچھے منظر کا مشاہدہ کرنے کی بجائے اُسے اپنے گھر کسی گوشے میں دیکھ سکتا ہے، اُسے اپنے قریب لاسکتا ہے، اور اس میں سے ہاتھ بھی گزار سکتا ہے۔ اس ٹیکنالوجی کو ہولوگرام (Holo Gram) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہولوگرام کے علاوہ ایک اور ٹیکنالوجی بھی ہے، جسے ورچیول ریالٹی (Virtual Reality) کہا جاتا ہے "ورچیول" کا معنیٰ "سراب" ہے، یعنی ایسی چیز جو نظر تو آئے، لیکن اس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ اس ٹیکنالوجی میں انسانی جسم کے ساتھ کچھ آلات لگادیئے جاتے ہیں، جن کا تعلق انسانی جسم اور کمپیوٹر دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان آلات کو لگا کر انسان اپنے آپ کو منظر کا حصہ سمجھنے لگتا ہے، وہ تصوراتی طور پر اسکرین کے اندر داخل ہوجاتا ہے، اس کے ساتھ وہ حرکت کرسکتا ہے، اِدھر اُدھر دیکھ سکتا ہے، اپنا ردِعمل ظاہر کرسکتا ہے، دور دراز ملکوں میں جا کر وہاں کی سیر کرسکتا ہے، اسٹاک مارکیٹ کے ریٹ دیکھ سکتا ہے، مگر وہ ہوتا اپنی جگہ پر ہے۔

طبی تحقیق میں بھی وی آر (ورچیول ریالٹی) کا عمل دخل بہت زیادہ اہم اور نمایاں ہوگیا ہے۔ جونیئر سرجن کو خطرناک آپریشن کی تربیت آپریشن تھیٹر کی بجائے کے وی آر سٹوڈیو میں دی جاتی ہے، اُسے گاگلز اور دستانے پہنا کے ایک مصنوعی آپریشن تھیٹر میں پہنچادیا جاتا ہے اور وہ کسی حقیقی جسم کو ہاتھ لگائے بغیر تربیت حاصل کرلیتا ہے۔

ایک نوآموز ہواباز کو قیمتی ایف سولہ دینے کی بجائے اُسے وی آر اسٹیشن پر کھڑے جہاز کے کاک پٹ میں بٹھا کر اس کی آنکھوں پر آلات لگادیئے جاتے ہیں، اُسے ایک کھلا رن وے نظر آتا ہے اور ساتھ انجن کی بھرپور آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ اس

کے بعد وہ جہاز اڑاتا ہے اور آسمان میں جہاز کے مختلف کرتب دکھاتا ہے، حالاں کہ وہ زمین پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ کمپیوٹر کو عوامی شہرت پہنچانے میں ملٹی میڈیا کا استعمال بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آج بے چارے ایک کمپیوٹر میں الیکٹرونکس کی تمام سہولیات اکٹھی کر دی گئی ہیں، حالاں کہ جب پہلی دفعہ کمپیوٹر ڈیزائن کیا گیا تھا تو اُسے صرف حساب و کتاب کے لئے بنایا گیا تھا۔ اس وقت اس کی شکل آج کے جدید کیلکولیٹر کی طرح تھی اور اس کے ذریعے صرف اعداد اور حروف کو دیکھا جا سکتا تھا، مگر ونڈوز کے پروگرام آنے کے بعد کمپیوٹر تصویر کی رنگ برنگی دنیا میں پہنچ گیا ہے۔

ڈیجیٹل تیکنیک پر آخری نظر

الغرض فنی ترقی کا سلسلہ جاری ہے، نت نئے آلات وجود پاتے رہیں گے۔ مگر ہمیں شکل وصورت اور روح وحقیقت کے درمیان فرق روا رکھنا ہوگا، کیونکہ شکلیں اور صورتیں بدلتی رہتی ہیں، مگر روح اور حقیقت ہر زمانے میں یکساں رہتی ہے۔ مقصد کے حصول کے لئے مختلف ذرائع اور وسائل اختیار کئے جاتے ہیں، مگر حکم کا تعین ذریعے اور وسیلے سے نہیں، بلکہ مآل اور نتیجے سے ہوتا ہے۔ ذریعے کو غیر مقصود ہونے کی بناء پر نظر انداز کر دینا چاہیۓ، مگر نتیجے سے صرفِ نظر نہیں چاہیۓ۔ اگر فکر اتنی گہری، فہم اتنا مستقیم اور نگاہ اتنی تیز ہو کہ وہ صورت سے گزر کر روح اور حقیقت تک اتر سکتی ہو تو پھر برائی جس رنگ وروپ میں آ جائے، اُسے پہچاننا مشکل نہیں رہتا ہے۔

حصہ دوم

شرعی جائزہ

فصل اول	فقہی تبصرہ و تفصیل
فصل دوم	تنقیح مناط
فصل سوم	صنعتِ انسانی
فصل چہارم	مرئی اور غیر مرئی کی بحث
فصل پنجم	پائیداری اور ناپائیداری کی بحث
فصل ششم	تخیل کا دخل
فصل ہفتم	متحرک تصاویر
فصل ہشتم	تصویر کا مادہ
فصل نہم	قدیم اور جدید کا فرق
فصل دہم	اصل اور عکس
فصل یازدہم	عرف اور تصویر

فصل اول

فقہی تجزیہ و تبصرہ

منظر کشی کے تین مرحلے

فنی تجزیہ وتحلیل کرتے وقت کیمرے کے ذریعے منظر کشی کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا تھا:

۱:.....شبیہ کی تشکیل (Formation)

۲:.....شبیہ کا ضبط (Persistence)

۳:.....شبیہ کا اظہار (Presentation)

ان تینوں مرحلوں کا حاصل یہ تھا کہ روشنی کی کرنیں عکس بناتی ہوئی کیمرے میں داخل ہوتی ہیں، جسے ''عکس کا حصول'' یا ''شبیہ کی تشکیل'' کہتے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں کیمرے کے اندرونی پرزے پر محفوظ کردی جاتی ہیں، جسے ''عکس کا ضبط'' یا ''شبیہ کا ریکارڈ کرنا'' کہتے ہیں۔ جب کہ تیسرے مرحلے میں محفوظ شدہ اوراخذ کردہ شبیہ کو کاغذ یا پردے پر ظاہر کردیا جاتا ہے، جسے ''شبیہ کا اظہار'' یا ''اس کی نمائش'' کہتے ہیں۔ گویا ''اَخذ شبیہ، ضبط شبیہ اور اظہار شبیہ'' ان تینوں مراحل سے گزر کر ایک مصنوعی برقی منظر

نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔

تنقیحات:

اب سوال یہ ہے کہ:

۱:......جب کیمرے کے ذریعے کوئی منظر لیا جائے تو اسے عکس بندی کہیں گے یا تصویر سازی؟

۲:......جب اس منظر کو کسی آلے میں محفوظ کر لیا جائے تو اس محفوظ مواد کو عکس کہیں گے یا تصویر؟

۳:......اور جب اس ضبط شدہ مواد کو کسی کاغذ یا پردے یا اسکرین پر دکھایا جائے تو اسے عکس نمائی کہیں گے یا تصویر نمائی؟ یہ تین سوالات ہیں اور ان کے جواب پر برقی شبیہ کے حکم کا مدار ہے کہ وہ تصویر ہے یا نہیں؟

نگاہ نگاہ کے فرق سے، ان تینوں سوالات کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے:

۱:......ایک یہ کہ تینوں مرحلوں میں سے ہر ہر مرحلے کو انفرادی حیثیت سے دیکھا جائے۔

۲:......دوسرا یہ کہ تینوں مرحلوں کا مجموعی حیثیت سے جائزہ لیا جائے۔

ہماری یہ بحث اسی وقت جامع اور مکمل کہلائے گی، جب ہم ہر ایک مرحلے پر جزوی اور انفرادی حیثیت کے ساتھ کلی اور مجموعی اعتبار سے بھی نگاہ ڈالیں۔ اس لئے پہلے ہر مرحلے پر انفرادی حیثیت سے نظر ڈالی جاتی ہے اور پھر تینوں کا بہ حیثیت مجموعی جائزہ لیا جائے گا۔

انفرادی جائزہ

پہلا مرحلہ: حصولِ عکس کا ہے اگر پہلے مرحلے تک نگاہ محدود رکھی جائے اور درمیانی

اور آخری مرحلے کو نہ دیکھا جائے تو کیمرا آلۂ عکاسی ہے، آلۂ مصوری نہیں، اور وہ تصویر نہیں بناتا بلکہ عکس اتارتا ہے۔ وجہ اس کی تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ ہر کیمرا روشنی کی مدد سے آغاز میں عکس اتارتا ہے اور جب کیمرے نے عکس اتارا تو لامحالہ وہ آلۂ عکاسی ٹھہرا۔ عکس لینا، دیکھنا اور دکھانا کوئی گناہ نہیں، تو کیمرے کے ذریعے منظر کشی میں بھی کوئی قباحت نہیں، کیونکہ یہ منظر نگاری دراصل عکاسی ہے، صورت گری اور تصویر سازی نہیں۔

دوسرا مرحلہ: عکس کے حفظ وضبط کا ہے۔ مختلف کیمرے مختلف طریقوں سے عکس کو محفوظ کرتے ہیں۔ جن کیمروں میں فلم استعمال ہوتی ہے ان میں تو تصویری نقوش کی صورت میں عکس محفوظ ہوتا ہے، جسے تفصیلی پراسس کے بعد انسانی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس عکس کے تصویر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، اس لئے اس پر گفتگو کو طول دینے کی ضروت بھی نہیں۔

ویڈیو کیمرے میں صرف برقی اشارے ہوتے ہیں، جب کہ ڈیجیٹل کیمرے میں صرف اعداد ہوتے ہیں جو دراصل برقی لہریں ہوتی ہیں۔ ان اشاروں اور لہروں کو ایسے آلے کے ساتھ ہمرشتہ کر دیا جاتا ہے جو انہیں تصویر میں بدلنے کی قدرت اور صلاحیت رکھتا ہے، چنانچہ ان ہی کی مدد سے بلکہ ان ہی لہروں سے اصل جیسا منظر تشکیل دیا جاتا ہے، جو اصل کی نقل اور مثنیٰ اور اس کی ہوبہو کاپی ہوتا ہے۔ گویا مآل اور انجام کے اعتبار سے یہ لہریں تصویر کا مواد ہوتی ہیں اور انہیں بایں معنیٰ تصویر کا مادہ کہنا درست ہے کہ جب انہیں ظاہر کیا جائے گا تو یہ صرف تصویر کی شکل میں ظاہر ہوں گی، مگر اس مرحلے میں اور موجودہ حالت میں انہیں تصویر کہنا سمجھ سے بالا ہے۔ کیوں کہ عکس جب تک ڈسک یا پٹی پر برقی لہروں اور اشاروں کی صورت میں ہو، اُسے عکس کہنا بھی درست نہیں ہے، چہ جائیکہ اُسے تصویر کہا جائے، مثلاً:

حروف سے الفاظ بنتے ہیں اور الفاظ سے جملے اور جملوں سے مضمون بنتا ہے۔ اب اگر کسی جاندار کے بارے میں ایسا مضمون قلم بند کیا جائے، جس میں اس کے ظاہری

رنگ وروپ، شکل وصورت اور چہرے مہرے کا بیان ہوتو اُسے تحریری منظر کشی کہیں گے، مگر حقیقی تصویر نہیں کہہ سکتے ہیں، کیونکہ حروف کا مجموعہ مضمون اور مجازی تصویر ہوسکتا ہے، مگر حقیقی تصویر نہیں ہوسکتا ہے۔اسی طرح برقی لہروں اور اعداد کا مجموعہ بھی حقیقی تصویر نہیں ہوسکتا ہے۔زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ حروف کو تصویر نہیں کہہ سکتے ،تو اَعداد اور رموز کو کیسے تصویر کہا جائے گا؟

اس کی ایک واضح دلیل کتب حدیث میں ملتی ہے۔شمائل میں سرکار دوعالم اکا ایسا دل آویز نقشہ کھینچا گیا ہے کہ حلیہ مبارک آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے،مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مصوری کی ہے۔

اسی طرح ایک قادر الکلام شخص جب کسی واقعے کی منظر کشی کرتا ہے تو اپنے زورِ بیان سے غائب کو شاہد کر دیتا ہے اور اپنے محسوسات کو یوں متشکل کر دیتا ہے کہ سامع کے ذہن میں ایک تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے،مگر اسے تصویر سازی نہیں کہتے۔

شاعر اپنے تخیل کی مدد سے پرچھائیوں کو جذبات اور محسوسات کو زبان دے دیتا ہے،مگر اُسے صورت گری نہیں کہا جاسکتا۔مصور اگر رنگوں سے تصویر بناتا ہے تو شاعر لفظوں سے، اور شاعر کی بنائی ہوئی تصویر اکثر اوقات مصور کی تصویر سے بازی لے جاتی ہے،مگر الفاظ یا حروف کے ذریعے منظر کشی یا پیکر تراشی کو کوئی بھی حقیقی صورت گری نہیں کہتا۔

بہر حال اس دوسرے مرحلے میں جو کچھ ان آلات میں موجود ہوتا ہے، اسے بایں معنیٰ عکس یا تصویر کا مواد کہہ سکتے ہیں کہ جب اسے ظاہر کیا جائے گا تو وہ صرف عکس یا

کی صورت میں ظاہر ہوگا، مگر بحالت موجودہ اُسے حقیقی عکس یا تصویر نہیں کہا جاسکتا۔(۱)

۱) اس بحث سے ان آلات کا حکم بھی واضح ہو جاتا ہے جو یادر کھنے اور محفوظ کرنے کے کام آتے ہیں اور جن میں عارضی یا مستقل طور پر ڈیٹا کو محفوظ کیا جاتا ہے، جیسے سی ڈی (CD)، ریم (RAM)، وی سی ڈی (VCD)، ڈی وی ڈی (DVD)، فلاپی ڈسک (FLOPPY DISC) اور ہارڈ ڈسک (HARD DISC) وغیرہ۔

غور کرنے سے ڈیٹا محفوظ کرنے والے یہ آلات چند قسم کے معلوم ہوتے ہیں:

بعض وہ آلات ہیں جو عارضی طور پر ڈیٹا کو محفوظ کرتے ہیں، جیسے: ریم وغیرہ کہ جب تک کمپیوٹر کو بجلی کی فراہمی بحال ہے اور کمپیوٹر چل رہا ہے، ریم میں ڈیٹا محفوظ رہتا ہے اور اگر بجلی منقطع ہو جائے یا غلطی سے کمپیوٹر بند کر دیا جائے تو ریم میں موجود سارا کا سارا ڈیٹا ضائع ہو جاتا ہے، اسی لئے ڈیٹا بار بار محفوظ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جب ہم ڈیٹا (SAVE) کرتے ہیں تو اس کا مطلب ریم سے ہارڈ ڈسک میں ڈیٹا کی منتقلی ہوتا ہے، تا کہ وہ محفوظ رہے۔

کچھ وہ آلات ہیں جن میں مستقل طور پر ڈیٹا محفوظ رہتا ہے، جیسے: ہارڈ ڈسک اور فلاپی ڈسک وغیرہ۔

پھر ان ڈیٹا محفوظ کنندہ آلات میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن میں ڈیٹا پتھر پر لکیر کے مانند ہوتا ہے، مثلاً: ریڈ ایبل سی ڈی وغیرہ۔ سی ڈی کے برعکس فلاپی ڈسک اور ہارڈ ڈسک میں مقناطیسی خواص کی بدولت ڈیٹا بدلا جاسکتا ہے، گویا یہ قسم ان پرزہ جات کی ہے، جن میں تبدیلی ممکن ہے۔ ''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں'' یہ مصرعہ زمانہ حال میں ٹیکنالوجی پر خوب صادق آتا ہے۔ اب سی ڈی میں بھی ڈیٹا کی تبدیلی ممکن ہو چکی ہے۔ بہرحال ان آلات میں جو کچھ بھرا جاتا ہے، اُسے بعد ازاں کمپیوٹر اسکرین، ایل سی ڈی، یا ہائی ایف ٹی کے پردے پر دیکھا جاسکتا ہے۔

سی ڈی وغیرہ آلات کا شرعی حکم وہی ہے جو ایک خالی آڈیو کیسٹ کا ہوتا ہے۔ آڈیو کیسٹ کا حکم اس کے مواد کے تابع ہوتا ہے۔ تقریریں وغیرہ اس میں بھرنا جائز ہے اور ایسی کیسٹ کی خرید وفروخت بھی جائز ہوتی ہے اور اگر اس میں ناجائز مواد بھرا جائے، مثلاً: گانے وغیرہ تو بھرائی کا یہ عمل بھی ناجائز اور اس کا خریدنا بیچنا بھی ناجائز ہوتا ہے، یہی حکم سی ڈی، ڈی وی ڈی، وغیرہ کا بھی ہے، البتہ اگر سی ڈی، ڈی وی ڈی، وغیرہ میں علاوہ جان دار کی شکلوں اور صورتوں کے، کوئی اور شرعی محظور نہ ہو تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ جواب کا مدار ان شکلوں اور صورتوں کے تصویر ہونے یا نہ ہونے پر ہے اور ہماری اس کاوش کا مقصد اسی کا تعین کرنا ہے۔ جس سی ڈی میں تصویریں ہوں، وہ اگر سامنے ہو تو نماز بلا کراہت جائز رہے گی، کیوں کہ بحالت موجودہ اس میں عکس یا تصویر کا مواد ہے، حقیقی عکس یا تصویر نہیں اور اگر تصویر فرض کر لی جائے تو فقہ کا مسئلہ ہے کہ تصویر اگر مستور ہو، یعنی تھیلی یا جیب میں ہو یا کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو یا مٹی سے لیپ دی گئی ہو تو اس کے سامنے یا اس کے ساتھ نماز بغیر کراہت کے جائز ہوتی ہے۔ یہ جواب اس نظریہ پر مبنی ہے کہ سی ڈی اور کمپیوٹر پر ظاہر ہونے والی شکلیں اور صورتیں تصویر ہیں اور جو اہل علم سی ڈی کا مواد اسکرین پر ظاہر ہونے کے بعد بھی اس کے تصویر ہونے کے قائل نہیں، ان کی رائے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

تیسرا مرحلہ:عکس کا اظہار

تیسرا مرحلہ منظر نمائی کا ہے۔جو منظر کیمرے نے محفوظ کیا ہے،چاہے وہ فلم پر ہو یا ڈسک پر،رنگ وروغن کی صورت میں ہو یا برقی کرنوں اور مقناطیسی اشاروں کی صورت

گزشتہ سے پیوستہ

”(۲۸۴۵)”وان طينت رؤس التماثيل بالطين حتى محاها الطين فلم تستبن فلابأس بذالك(۲۸۴۶) وكذالك لو كان التماثيل في بيت فأذهبت وجوهها بالطين أو الجص، فإن الكراهة تزول به وإن كان بحيث لو شاء صاحبها نزع الطين“. (شمس الائمة محمدبن احمد السرخسي،شرح السير الكبير، باب مايكره في دارالحرب ومالايكره،المكتب للحركةالثورية الإسلامية،افغانستان، ۱۴۰۵ھ،ص:۱۴۶۴، ۱۴۶۳۔)

ترجمہ:”اگرتصویروں کے سروں کومٹی سے اس طرح لیپ دیا جائے کہ مٹی اُنہیں مٹادے اور وہ واضح نہ ہوں تو (ایسی تصاویر کے استعمال میں) کوئی حرج نہیں ہے۔اسی طرح کسی گھر میں تصاویر ہوں اور مٹی یا چونے سے ان کی شکلیں مٹادی جائیں تو اس طرح کرنے سے کراہت زائل ہوجائے گی،اگرچہ ان کو اس طرح لیپا گیا ہو کہ مالک ان سے مٹی ہٹانا چاہے تو مٹی ہٹ جائے (اور تصویریں پھر پرانی شکل پر لوٹ آئیں)“۔

”لاتكره أمامه من في يده تصاوير لأنها مستورةبالثياب لاتستبين فصارت كصورة نقش خاتم.اه.ومفاده كراهة المستبين لاالمستتر بكيس أو صرةأو ثوب آخر(قوله:أو ثوب آخر)بأن كان فوق الثوب الذى فيه صورة ثوب ساتر له فلا تكره الصلٰوة فيه، لاستتارها بالثوب“۔(علامه محمد امين ابن عابدين الشامي،ردالمحتار على الدر المختار،(متوفى ۱۲۵۲ھ)كتاب الصلوة،باب مكروهات الصلوة،ايچ ايم سعيد كمپنى، كراچى،ص ۶۴۸/۱)

ترجمہ:جس شخص کی آستین میں تصویریں ہوں اس کی امامت میں کراہت نہیں،کیونکہ کپڑے میں چھپنے اور غیر ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ انگوٹھی کے نقش کی طرح ہوگئیں۔اس سے یہ فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ تصویر ظاہر ہو تو کراہت ہے لیکن تھیلی یا دوسرے کپڑے میں تصویر چھپی ہوئی ہو تو کراہت نہیں،مثلاً کسی کپڑے پر تصویر ہو اور اس پر ایک دوسرا کپڑا ہو جس نے تصویر کو چھپایا ہوا ہو تو اس پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ نچلے کپڑے کی تصویر اوپر کے کپڑے سے چھپ گئی ہے۔(مطلب یہ ہے کہ تصویر والے کپڑے پر موٹا کپڑا بچھا کر نماز بلا کراہت جائز ہے۔)

میں، اب اُسے نگاہوں کے سامنے لایا جاتا ہے۔یہی اصل مقصود ہوتا ہے اور اس سے پہلے کے تمام مرحلے اسی مقصد کے حصول کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔اگر یہ تصویر ہے تو پچھلے دو مرحلے تصویر سازی کے ابتدائی اور ناگزیر مرحلے ہونے کی بناء پر ناجائز ہیں اور اگر یہ عکس ہے تو پچھلے دونوں مرحلے عکس کے مقدمات ہونے کی بناء پر جائز ہیں۔

مجموعی تجزیہ

اب تک تینوں مرحلوں کا الگ الگ اور انفرادی حیثیت سے جائزہ لیا گیا اور ہر مرحلے کو مستقل سمجھ کر، علیحدہ جان کر اور ماقبل و مابعد سے صرفِ نظر کر کے اس پر بحث کی گئی، مگر حق یہ ہے کہ تصویر کی بحث میں کسی ایک مرحلے کو حکم کے لئے مدار بنانا اور اس کے ماقبل اور مابعد کو نظر انداز کر دینا درست نہیں، کیونکہ یہ تینوں مرحلے تو صرف فنی اور تشریحی طور پر سامنے آتے ہیں، ورنہ حقیقت میں ایک ہی مقصد کے حصول کے تین مرحلے ہیں۔تینوں سلسلہ وار کڑیاں ہیں جو باہم مربوط اور پیوستہ ہیں اور تینوں کے مجموعے سے کل کی تشکیل ہوتی ہے، مقصود وجود پذیر ہوتا ہے اور نتیجے کا حصول ہوتا ہے۔ان تینوں میں فرق اور امتیاز کرنا ایسا ہے جیسے مجسمے کو تو حرام کہا جائے، مگر مجسمہ سازی کے لئے ہتھوڑی سے پتھر پر ضرب لگانے کو اہمیت نہ دی جائے۔شراب سے نفرت کی جائے، مگر اس کی تیاری کے لئے انگور نچوڑنے، پکانے اور چھاننے کے عمل کو غیر سنجیدگی سے لیا جائے۔

مقصودی مرحلہ

مقصد یہ ہے کہ تینوں پر ایک کلی اور مجموعی نظر ڈالنی چاہئے اور پھر ان تینوں میں سے اصل مقصود "شبیہ کا اظہار" یعنی تیسرا مرحلہ ہے، اس لئے اسی تیسرے مرحلے کو اہمیت اور وقعت دینی چاہئے، کیوں کہ شبیہ کا حصول اور ضبط اس کے اظہار ہی کے لئے ہوتا ہے۔اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو ساری مشق سعی لاحاصل اور پورا مشینی عمل فضول اور رائیگاں ہے۔

اس موقع پر عقل و فہم اور دانش و بینش کا جو فیصلہ ہے کہ مقصودی مرحلے کو چھوڑ کر غیر مقصودی مرحلے پر حکم کی بنیاد نہیں رکھنی چاہئے، یہی قواعدِ شریعت کا بھی تقاضا ہے،

کیوں کہ شریعت بھی مآل اور انجام کو دیکھتی ہے۔کوئی فعل جس کا حکم آغاز میں معلوم نہ ہو، اس کی شرعی نوعیت جانچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے انجام ومآل اور نتیجے وثمرے کو ابتداء میں موجود فرض کرلیا جائے، اگر نتیجہ جائز نکلتا ہو تو فعل کا آغاز جائز ٹھہرتا ہے اور اگر نتیجہ شریعت کے مخالف نکلتا ہو تو ابتداء بھی ناجائز ٹھہرتی ہے۔مثلاً: قتل اگر ناجائز ہے تو قتل کی نیت، قتل کی نیت سے تیاری، ہتھیار کا حصول اور اقدامِ قتل بھی ناجائز ہے۔''**الأمور بمقاصد ها**''فقہ کا معروف قاعدہ ہے۔اس قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اسکرین پر نمودار ہونے والی صورت تصویر ہے تو اس مقصد کے لئے عکس لینا اور اسے محفوظ کرنا بھی تصویر سازی ہے، اور اگر تصویر سازی معصیت ہے تو معصیت کا مقدمہ بھی معصیت ہے، اس لئے تصویر سازی کے لئے عکس لینا اور محفوظ کرنا بھی معصیت ہے۔

بت ساز جب ہتھوڑی کے ذریعے چھینی پر ضرب لگاتا ہے، آرٹسٹ جب کینوس پر رنگ بکھیرتا ہے اور مصور جب قلم کاغذ پر رکھتا ہے تو اسی وقت گناہگار ہوجاتا ہے، بلکہ گناہ کے عملی آغاز سے بھی پہلے جب کوئی شخص گناہ کا پکا عزم اور مصمم ارادہ کرلیتا ہے تو قواعدِ شریعت کے مطابق اس کے کھاتے میں گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔

فصل دوم:

تنقیحِ مناط

عکس یا تصویر؟

تصویر صاحبِ تصویر کی حکایت ہے۔

ترجمانِ حقیقت ہے۔

انسانی صنعت کو اس میں دخل ہے۔

قائم و پائیدار ہے اور فتنے کا باعث ہے۔

زائد از ضرورت زیب و زینت ہے۔

پاکیزہ ارواح کے لئے باعث تکلیف ہے۔

غیر قوموں کے ساتھ مشابہت ہے۔

خدا کی صفت تخلیق کی نقالی ہے۔

اور شریعت کو اس سے سخت نفرت ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر تصویر حرام اور ناجائز ہے۔ اس کے برعکس، عکس جائز ہے، کیونکہ:

عکس صاحبِ عکس کے تابع ہے۔

ذوعکس کی پرچھائیاں ہیں۔

اصل کی ہوبہو کاپی ہے، عارضی اور ناپائیدار ہے۔

روشنی سے مرکب ہے۔

قدرتی اور فطری ہے۔

لمحہ بہ لمحہ اور لحظہ بہ لحظہ وجود میں آتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔

تصویر سے شریعت کو سخت نفرت ہے، جب کہ عکس کا دیکھنا خود صاحبِ شریعت سے ثابت ہے۔

حاصل یہ کہ تصویر کے حرام ہونے اور عکس کے جائز ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف یہ ہے کہ اسکرین پر جو صورت دیکھنے میں آتی ہے، وہ کیا ہے؟ عکس ہے یا تصویر ہے، یا دونوں میں سے کس کے قریب ہے؟

اس اختلافی نکتے کو بصیرت کے ساتھ حل کرنے اور اس ضمن میں دیے جانے والے دلائل کی وضاحت کے لئے شروع میں یہ بحث کی گئی کہ عکس کیا ہے؟ کیسے اتارا جاتا ہے؟ کیسے محفوظ کیا جاتا ہے؟ کیسے دکھایا جاتا ہے؟ اور اس ضمن میں کتنے آلات سے مدد لی جاتی ہے؟ اور ان نئے اور پرانے آلات کا فرق کیا ہے؟ اگر یہ مقاصد ملحوظ نہ ہوتے تو ان مباحث کو چھیڑنا سوائے وقت کے ضیاع کے اور کچھ نہ تھا۔

جو اصل اختلافی نکتہ ہے کہ اسکرین پر ظاہر ہونے والی صورت کیا ہے؟ بعض اُسے ٹیکنالوجی کی جدت، تصویر کا تسلسل اور اس کی ترقی یافتہ شکل کہتے ہیں، جبکہ بعض اُسے آئینے کے عکس کے مانند جائز سمجھتے ہیں۔ دونوں قول اہل علم کے ہیں اور دونوں کے پسِ

پر دہ دلائل ہیں۔

جواز اور عدم جواز کی بنیادی دلیل

جواز کی مرکزی دلیل یہ ہے کہ برقی شبیہ عکس کی طرح ناپائیدار ہوتی ہے، جب کہ عدم جواز کی مضبوط دلیل یہ ہے کہ تصویر کی طرح صورت محفوظ ہوتی ہے اور عرف میں اسے تصویر سمجھا جاتا ہے۔

دلائل کی یہ جنگ طویل بھی ہے اور شدید بھی، ہر فریق اپنی چاہت کا میدان منتخب کرتا ہے، مرضی کا محاذ کھولتا ہے اور اپنے موقف کی تقویت کے لئے مختلف دلائل کا سہارا لیتا ہے، مگر بنیادی دلائل وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، ان کے علاوہ جو دلائل دیئے جاتے ہیں، وہ اس حیثیت سے ضمنی اور ثانوی نوعیت کے ہیں کہ ان سے اصل دلیل کو تقویت پہنچائی جاتی ہے

یا اس کا دفاع کیا جاتا ہے

یا جانب مخالف کی دلیل پر

یا اس کے دعویٰ پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

گزشتہ سطور میں جن دلائل کو مرکزی دلائل سے تعبیر کیا گیا، وہ بھی حقیقت میں دلائل نہیں، بلکہ دعویٰ جات ہیں اور دعویٰ ثبوت کا محتاج ہوتا ہے۔

ہمارا مقصود تمام دلائل کا استیعاب نہیں، بلکہ صرف اُن اہم نکات پر گفتگو ہے جو اس موضوع کے تعلق سے زیرِ بحث آتے ہیں اور ان کے بیان میں بھی استیعاب کے بجائے انتخاب کے اصول پر عمل کیا گیا ہے۔ آگے اُن ہی چیدہ چیدہ نکات کا بیان ہے۔

فصل سوم

صنعتِ انسانی

تکلیف کی بنیاد

ایک پتھر جہاں پڑا ہے وہیں پڑا رہے گا، ایک درخت جہاں کھڑا ہے وہیں جما رہے گا، کیوں کہ قانونِ قدرت کے تحت مجبور ہے۔ اسی لئے پتھروں، درختوں اور پہاڑوں پر فردِ جرم عائد کرنے کے لئے عدالت کی کرسی نہیں لگائی جاتی، مگر انسان جرم کرتا ہے تو سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، کیوں کہ اختیار اور قدرت رکھتا ہے اور اسی بنا پر اپنے افعال کا ذمہ دار اور اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہوتا ہے۔ اسی قدرت و اختیار پر تمام بنیاد قائم ہے۔

عکس کا فطری اور تصویر کا مصنوعی ہونا

اب ذرا اس فرق پر غور کیجئے کہ عکس اور تصویر میں انسان کا عمل ودخل کس قدر ہے؟ انسان جب آئینے کے سامنے آتا ہے تو آئینے کے روبرو آنا تو اس کے اختیار میں ہے اور خود آئینہ بھی انسانی صنعت گری کا کمال شاہکار ہے، مگر عکس وانعکاس میں انسان

کے ارادے اور اختیار کا دخل نہیں ہے۔ جب بھی عکس کے اسباب جمع ہوں گے، عکس بن کر رہے گا اور انعکاس ہو کر رہے گا، جیسا کہ جب بھی سورج نکلے گا تو روشنی پھیل کر رہے گی، آگ کے ساتھ، پانی کے ساتھ برودت ہوگی اور جہاں بھی کوئی چیز ہوگی تو اسے دایاں اور بایاں، فوق اور تحت کی اضافت حاصل ہو کر رہے گی۔

دوسری طرف ان برقی آلات کی نمائش گاہوں پر جو صورتیں جلوہ افروز ہوتی ہیں، ان میں انسانی قصد وارادہ اور قدرت واختیار کا بھرپور دخل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ایسی قدآور شخصیت اور بلند پایہ ہستی کا حوالہ مناسب رہے گا، جو عقلائے یونان کی غلطیوں کو درست کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جو اگر چاہتے تو منطقِ یونان کے مقابل ایک نئی منطق کی بنیاد رکھ سکتے تھے۔ اگر خیال رازیؒ اور غزالیؒ جیسی ہمہ جہت اور جامع شخصیتوں کی طرف متوجہ ہو تو حرج نہیں، جامع المعقول والمنقول، قاسم العلوم والخیرات، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ عقلیات میں ان بزرگوں سے کچھ کم نہ تھے۔ حضرت نانوتویؒ نے عکس اور تصویر میں یہی فرق بیان کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> ''اتحادِ شکل کی کل دو صورتیں ہیں: ایک تصویر کشی، دوسری انعکاس، سو تصویر کشی تو فعل اختیاری مصور ہے اور تصویر اس کی ساختہ و پرداختہ، اور انعکاس ایک اضافت بے اختیاری ہے اور عکس ایک نتیجہ ضروری..... تقابل تو کسی قدر اختیار میں ہوتا ہے، پھر انعکاس اور عکس دونوں اختیار سے باہر ہیں۔''(۱)

ایک آئینہ پر کیا موقوف!۔۔۔۔ انسان جب بھی کسی شفاف چیز کے سامنے آئے گا، چاہے وہ صاف پانی ہو یا چمک دار پتھر ہو یا چمکیلا فرش ہو، اس کا عکس بن کر رہے گا۔ اس لئے نفسِ عکس تو قدرتی اور فطری ہے اور اس کا بننا اختیار سے باہر ہے اور اس سے بچنے کا حکم دینا اصولِ شریعت کے منافی ہے، کیوں کہ شریعت کی عمارت ''عدمِ حرج'' کے

۱) حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، قبلہ نما، کتب خانہ قاسمی، دیوبند، طبع دوم، سن اشاعت ۱۹۲۶ء، ص ۳۳۔

اصول پر قائم ہے، جب کہ عکس کی ممانعت اور حرمت سخت تنگی کا باعث ہے۔اس کے بر عکس ان بجلی کے آلات پر جو صورتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں، وہ پوری طرح مصنوعِ انسانی اوراس کی قدرت واختیار میں ہوتی ہیں۔

حضرت نانوتویؒ نے عکس اور تصویر میں جو فرق بیان کیا ہے،لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ تصویر ''بابِ تفعیل'' کا مصدر ہے اوراس باب کی خاصیت ''جعل وصنعت'' ہے۔ اس لئے تصویر تو ''مصنوع انسانی'' ہوتی ہے اور اس میں انسان کا عمل ودخل ہوتا ہے، مگر نفس عکس انسانی طاقت واختیار سے باہر ہوتا ہے۔

مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

''شبیہ کی کل چار قسمیں ہیں:

۱:......سایہ

۲:......عکس

۳:......مجسمہ

۴:......تصویر۔''

آگے لکھتے ہیں کہ:''پہلی دو غیر اختیاری ہیں، اس لئے جائز ہیں اور آخری دو اختیاری ہیں، اس لئے ناجائز ہیں''۔

مشہور عرب عالم شیخ ناصر الدین الالبانیؒ کی وہ بحث بھی اس مقام پر مناسب اور برمحل معلوم ہوتی ہے، جو انہوں نے ان لوگوں کی تردید میں فرمائی ہے جو ہاتھ سے بنائی ہوئی اور کیمرے سے کھینچی گئی تصویر میں فرق روا رکھتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

''وقريب من هذا تفريق بعضهم بين الرسم باليد وبين التصوير الشمسي يزعم أنه ليس من عمل الإنسان!وليس

من عمله فيه إلا إمساک الظل فقط، كذا زعموا ۔أما ذلک الجهدالجبارالذی صرفه المخترع لهذه الآلة حتى استطاع أن يصور في لحظة ما لا يستطيعه بدونها في ساعات، فليس من عمل الإنسان عندهولاء.وكذالک توجيه المصور للآلة وتسديدهانحوالهدف المرادتصويره،وقبيل ذلک تركيب ما يسمونه بالفلم ثم بعد ذالک تحميضه و غير ذالک مما لا أعرفه،فهذا أيضاً ليس من عمل الإنسان عند أولئک أيضا..
و ثمرة التفريق عندهم أنه يجوز تعليق صورة رجل مثلاًفي البيت إذا كانت مصورةً بالتصوير الشمسی.ولا يجوز ذالک إذا كانت مصورةً باليد، أما أنا فلم أرله مثلاًإلا جمود بعض أهل الظاهر قديما مثل قول أحدهم في حديث:" نهی رسول الله اعن البول فی الماء الراكد"۔قال :فالنهی عنه هو البول في الماء مباشرةً،أمالو بال في إناء ثم أراقۂ فی الماء فهذا ليس منهياًعنه". (۱)

ترجمہ:...... ’’اس سے ملتی جلتی بات بعض لوگوں کا ہاتھ سے بنائی ہوئی اور عکسی تصویر کے درمیان فرق کرنا ہے ۔ان کا خیال ہے کہ عکسی تصویر کے لینے میں انسان کا عمل ودخل نہیں ہے۔ انسان نے تو صرف سایہ روک دیا ہے،بس اتناہی انسان کا عمل ودخل ہے ۔یہ ان لوگوں کا خیال ہے، ورنہ وہ انتھک محنت اور سخت جدوجہد جوموجد نے اس آلے کے ایجاد کرنے پر صرف کی ہے،اور جس کی بدولت وہ لمحوں میں اتنی تصویریں بناسکتا ہے جتنی گھنٹوں میں بھی اس کے بغیر نہیں بناسکتا، وہ ان کے نزدیک انسانی

---

۱) شیخ محمد ناصر الدين الألباني ،آداب الزفاف فی السنة المطهرة،بحواله تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، حكم صور الشمسية، دار القلم، دمشق، ج ۴ ص ۹۷۔

عمل ودخل نہیں ہے۔اسی طرح جس چیز کی تصویر کھینچنی مقصود ہو، اس کی طرف آلے کو درست کر کے لگانا اور اس سے پہلے اس کے اندر فلم لگانا اور پھر اس کی صفائی، دھلائی اور اس کے علاوہ نجانے کتنے کام! یہ سب کے سب کام بھی ایسے ہیں کہ ان کے نزدیک ان میں انسان کے عمل کو دخل نہیں۔ان حضرات کے نزدیک دونوں قسم کی تصاویر میں فرق کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ کسی انسان کی عکسی تصویر کو لٹکانا ان کے نزدیک جائز ہوگا، لیکن ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر کو لٹکانا جائز نہیں ہوگا۔میں نے سوائے بعض قدیم اور خشک اہل ظاہر کے ایسے کوئی لوگ نہیں دیکھے ہیں، جو کہتے ہیں کہ یہ جو حدیث شریف میں ہے کہ: ''حضور اقدس انے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے''۔اس حدیث میں براہ راست پانی میں پیشاب کرنے سے ممانعت ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی برتن میں پیشاب کرے اور اُسے پانی میں بہادے تو اس کی ممانعت نہیں ہے''۔

فصل چہارم

مرئی اور غیر مرئی کی بحث

ڈیجیٹل تصویر کا غیر مرئی ہونا

ڈیجیٹل تصویر کے جواز میں یہ دلیل کثرت کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ ڈیجیٹل کیمرے میں تصویری نقوش کی صورت میں شبیہ محفوظ نہیں ہوتی ہے۔

ماضی میں جب کبھی ٹی وی یا ویڈیو کیسٹ کے جواز میں یہ نکتہ پیش کیا گیا کہ اس کے کیمرے میں صرف برقی اشارے ہوتے ہیں، جبکہ تصویر غیر مرئی ہوتی ہے، تو حضراتِ اکابر نے اسے ایک غیر معقول اور نا قابلِ قبول دلیل کہہ کر مسترد کیا ہے۔ قافلۂ شہداء کے سپہ سالار حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

> ''ٹی وی اور ویڈیو فلم کا کیمرا جو تصویریں لیتا ہے، وہ اگرچہ غیر مرئی ہیں، لیکن تصویر بہر حال محفوظ ہے اور اس کو ٹی وی پر دیکھا اور دکھایا جاتا ہے۔ اس کو تصویر کے حکم سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہاتھ سے تصویر بنانے کے فرسودہ نظام کی بجائے

سائنسی ترقی نے تصویر سازی کا ایک دقیق طریقہ ایجاد کرلیا ہے۔لیکن جب شارع نے تصویر کوحرام قرار دیا ہےتوتصویر سازی کا طریقہ خواہ کیسا ہی ایجاد کرلیا جائے،تصویرتوحرام ہی رہے گی۔''(۱)

''تصویر بہرحال محفوظ ہے''یہی وہ فیصلہ کن نکتہ ہے جو برقی تصویر کوعکس سے جدا کردیتا ہے۔آگے جوارشادفرمایا کہ''اس کوٹی وی پر دیکھااوردکھایا جاتا ہے''اس عبارت سے حضرت شہید اسلامؒ نے اپنے دعویٰ کہ''تصویر بہرحال محفوظ ہے''کومدلل کردیا اور اس طرف اشارہ بھی فرمادیا کہ فنی عمل کے نتیجے میں تصویر غیر مشہود ضرور ہے،لیکن ایسانہیں کہ موجود بھی نہیں۔

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے بھی اس دلیل کومسترد کیاہے،فرماتے ہیں:

''صرف اتنی سی بات کو لے کر کہ ویڈیو کے فیتے میں تصویر نظرنہیں آتی، تصویر کے وجود کا انکار کردینا کھلا مغالطہ ہے۔''(۲)

مزید لکھتے ہیں:

''کتنے ہی لوگ ہیں جوکھپ گئے،دنیامیں ان کا نام ونشان نہیں،مگران کی متحرک تصویریں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں، ایسی تصویر کوکوئی......بھی عکس نہیں کہتا۔''(۳)

جولوگ کہتے ہیں کہ ویڈیو کیسٹ میں تصویری نقوش کا مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا،اس بناء پر وہ تصویر کی تعریف سے خارج ہیں۔حضرت مفتی صاحبؒ نے یہی دلیل اُلٹ کران

۱)مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ،آپ کے مسائل اوران کاحل،،ٹی وی اورویڈیوفلم،ترتیب وتخریج: مولاناسعید احمد جلال پوری شہید،مکتبہ لدھیانوی،کراچی،۲۰۱۱،ج۸ص۴۳۴۔

۲) احسن الفتاویٰ،مفتی رشید احمد لدھیانوی،کتاب الحظر والاباحۃ،ٹی وی کازہر ٹی بی سے مہلک تر،ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی،طبع چہارم،۱۴۲۵ھ۔،ج:۸ص:۳۰۲۔

۳) ایضاً

کے خلاف استعمال کی ہے اوراسی دلیل سے جواز کے برعکس عدمِ جواز ثابت کیا ہے:

''اگر یہ منطق تسلیم کرلی جائے کہ فیتے میں تصویر محفوظ نہیں، معدوم ہے اور ویڈیو کیسٹ میں محفوظ نقوش ٹی وی اسکرین پر جاکر تصویر بنادیتے ہیں تو اس لاحاصل تقریر سے اصل حکم پر کیا اثر پڑا؟ تصویر محفوظ ماننے کی تقدیر پر ٹی وی صرف تصویر نمائی کا ایک آلہ تھا، اب تصویر سازی کا آلہ بھی قرار پایا کہ صرف تصویر دکھاتا نہیں، بناتا بھی ہے۔ اب تو اس کی قباحت دوچند ہوگئی، یک نہ شد دوشد۔''(۱)

جس حقیقت کو لدھیانہ کے دونوں بزرگوں نے عام فہم اور عوامی انداز میں سمجھایا ہے، ماہنامہ گلوبل سائنس نے اسے فنی اور تیکنیکی اسلوب میں بیان کیا ہے۔ ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ویڈیو کیمرے یا ڈیجیٹل کیمرے میں محفوظ کی گئی شبیہ، طبعی یا ظاہری اعتبار سے شبیہ نہیں ہوتی، لیکن معنوی اعتبار سے شبیہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب شبیہ کے اظہار کا مرحلہ آئے گا تو وہ شبیہ اسی شکل میں ظاہر ہوگی جسے ابتداء میں محفوظ کیا گیا تھا، نہ کہ کسی اور صورت میں، لہٰذا مخصوص سائنسی اصطلاح میں بھی رموز (کوڈز) میں پوشیدہ اس شبیہ کو شبیہ ہی کہا جائے گا۔''

امریکی عدالت اپیل نے بھی ڈیجیٹل ذریعے میں موجود ڈیٹا کو تصویر قرار دیا ہے:

''...... ہمارا فیصلہ ہے کہ غیر ڈیویلپ شدہ فلم بصری تصویر ہے...... ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ الزام لگائے جانے والے قانون کی رو سے کمپیوٹر g.i.f files بصری تصویر کی تعریف میں آتی ہیں۔''

---

۱) ایضاً

انسان میں جہاں اور بہت ساری فطری خصوصیات ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بغیر نظیر اور مثال کے کسی چیز کے ماننے میں اسے سخت دشواری پیش آتی ہے۔ یوں ماننے کے لئے کہا جائے تو جبراً وقہراً آدمی سب کچھ مان سکتا ہے اور مان لیتا ہے، لیکن اطمینان وآشتی کے لئے وہ نمونہ اور مثال ونظیر کا محتاج ہے۔

ماہنامہ ''بینات'' شوال ۱۴۰۸ھ کے شمارے میں مولانا کبیر احمد نے مختلف نظائر وامثال کے ذریعے سے مذکورہ دلیل پر دلچسپ تبصرہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''آیئے! مولانا کا دوسرا اصول بھی دیکھ لیجئے! مولانا نے ان تصویروں کو عکس اور پرچھائیں فرمایا ہے اور دلیل بھی کتنی جاندار کہ: ا:...... ''وہ نظر نہیں آتیں......''

لیکن یہ دنیائے علم کے لئے ایک افسوس ناک حادثہ ہے کہ اتنا بڑا عالم اتنی چھوٹی اور نیچی باتیں کررہا ہے۔ کیا کسی چیز کا نہ دکھائی دینا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہے؟ ہزاروں چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں، لیکن ان کے وجود کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس کی نظیریں علوم وفنون کے ہر شعبہ میں ہیں۔

شرعیات میں دیکھئے کہ دواعیٔ زنا یعنی بوس وکنار جو اسباب زنا ہیں، ان پر وہی حکم لگتا ہے جو زنا کا حکم ہے، یعنی رشتہ مصاہرت ثابت ہوجاتا ہے، جب کہ زنا بالفعل موجود نہیں ہے، لیکن چونکہ بالقوۃ موجود ہے کہ ان اسباب سے جرم زنا کا صدور ہوسکتا ہے، اس لئے ان پر حکم زنا ثابت کیا گیا۔ اسی طرح ٹیلی ویژن، ویڈیو کیسٹ کے فیتہ پر تصویریں اگرچہ بالفعل نظر نہیں آتی ہیں، لیکن بالقوۃ ہر وقت نظر آرہی ہیں، اس طرح کہ جب چاہے بٹن دبایئے اور ساری تصویریں ٹیلی ویژن کی اسکرین پر

ناچنے لگیں، اس لئے بالقوۃ کا حکم وہی ہوگا جو بالفعل کا ہے۔

نحویات میں اس کی مثال لیجئے کہ ضمائر متصلہ جو نظر نہیں آتی ہیں، لیکن تمام اہلِ فن وہاں پر ضمائر کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے وجود کو مانتے ہیں۔ اسی طرح مفعول مطلق اور مفعول بہ میں بعض مقامات پر افعال بظاہر موجود نہیں ہوتے ہیں، لیکن ان کے انکار کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔

ہمارے جسم کی کیفیات: سرور وغم نگاہوں سے مستور ہیں، لیکن ان کے انکار کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔

اعتقادیات کے باب میں خدائے پاک نظروں سے مخفی ہیں، لیکن اس کے باجود اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اور سائنسیات کی کتاب الٹائیے کہ برقی لہریں نظر نہیں آتیں، مگر کوئی ان کے وجود کا انکار نہیں کرتا۔

تو آخر کیا مصیبت ہے کہ زندگی اور علوم وفنون کے ہر شعبہ میں تو کسی چیز کو ماننے کے لئے ظاہری مشاہدہ کو شرط نہیں قرار دیا جاتا، لیکن جب ویڈیو کیسٹ کا مسئلہ آتا ہے تو اس میں رؤیت کی شرط لگادی جاتی ہے، جو تمام گوشہ ہائے حیات میں ٹھکرائی جاچکی ہے...... اب اربابِ نظر خود فیصلہ کرلیں کہ مولانا کی پیش کردہ دلیل کتنی ایٹمی قوتوں کا مجموعہ ہے؟" (۱)

۱) ٹی وی اور ویڈیو کیسٹ کا حکم، دارالعلوم دیوبند کا فتوی، ماہنامہ بینات، جلد: ۵۰، شمارہ: ۱۰، شوال المکرم ۱۴۰۸ھ بمطابق جون ۱۹۸۸ء، کراچی، ص ۱۸۔

فصل پنجم

پائیداری اور ناپائیداری کی بحث

پائیدار سے مراد

جو چیز عکس کو تصویر سے ممتاز کرتی ہے، وہ عکس کا ناپائیدار اور تصویر کا پائیدار ہونا ہے۔ عکس جائز ہے، اس لئے کہ ناپائیدار ہوتا ہے اور تصویر ناجائز ہے، اس لئے کہ پائیدار ہوتی ہے۔ یہی وہ فرق ہے جس کو پوری اہمیت اور وضاحت کے ساتھ سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تصویر کے شرعی احکام'' میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت لکھتے ہیں:

> ''فوٹو کے آئینہ پر جو کسی انسان کا عکس آیا، اس کو عکس اسی وقت تک کہا جاسکتا ہے جب تک اس کو رنگ وروغن اور مسالہ کے ذریعے قائم اور پائیدار نہ بنا دیا جائے، اور جس وقت اس عکس کو قائم اور پائیدار بنا دیا، اسی وقت یہ عکس تصویر بن گئی۔''(١)

١) مفتی اعظم پاکستان، مفتی محمد شفیع، تصویر کے شرعی احکام، فوٹو کے متعلق شرعی احکام، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع جدید، ١٤٢٦ھ بمطابق ٢٠٠٥ء، ص ٦٠۔

مگر قیام و پائیداری سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کیا ہے؟ علماء کا اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں حضرت مفتی اعظمؒ نے اپنی منشاء کے بیان کے لئے جو الفاظ چنے ہیں، اگر وہی پڑھے جائیں اور جو پڑھا جائے وہی سمجھا جائے تو قائم اور پائیدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز اپنے محل پر نقش اور ثبت ہو جائے اور اس طرح قرار پکڑ لے جس طرح حرف کاغذ پر اور رنگ دیوار پر قرار پکڑ لیتا ہے تو وہ قائم اور پائیدار ہے، اس تفسیر کی رو سے برقی تصویر حرام تصویر کے ذیل میں نہیں آتی، کیونکہ وہ بایں معنیٰ اپنے محل پر قائم و ثابت نہیں ہوتی ہے، جو علماء برقی تصویر کو تصویرِ محرّم نہیں سمجھتے، وہ پائیداری کے اسی مفہوم کو مدنظر رکھ کر تصویر کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''جاندار کی ایسی شبیہ جو کاغذ، کپڑے یا دیوار جیسی ٹھوس شئے پر نقش ہو۔''

مگر زیادہ حقیقت پسندانہ اور منصفانہ رویہ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے کلام کے کسی ایک حصے کو ان کا یقینی منشا نہ قرار دیا جائے، بلکہ ان کی دیگر عبارات کو بھی دیکھا جائے، کلام کے سیاق وسباق پر نظر رکھی جائے، اور پورے کلام سے جو مجموعی تاثر ابھرتا ہو، اُسے ان کا منشا اور مقصد قرار دیا جائے۔ اس طرزِ تعبیر و تشریح سے ایک تو کلام' تضاد اور تناقض سے محفوظ رہتا ہے اور دوسرے اہمال اور ابطال جیسے ناپسندیدہ طرزِ تشریح کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ہے۔

بلاشبہ مذکورہ بالا عبارت کا ظاہری مفہوم وہی ہے جو جواز کے قائل علماء نے اخذ کیا ہے، مگر حضرتؒ کی ایک دوسری عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ عکس وہ ہے جو اپنی اصل کے تابع ہو اور تصویر وہ ہے جو اصل کے تابع نہ ہو، فرماتے ہیں:

''اور جب اس عکس کو رنگ و روغن کے ذریعہ شیشہ پر مرتسم پائیدار بنا دیا تو اب یہی عکس تصویر بن گئی، اس لئے اس کے بعد وہ ذی ظل کے تابع نہیں رہتی، صاحب ظل یہاں سے چلا جاتا ہے، مگر تصویر آئینہ پر قائم رہتی ہے۔''(١)

---

١) ایضاً

ایک اور مقام پر بھی حضرت نے قائم اور پائیدار کی تشریح ''اصل کے تابع نہ ہونے'' سے کی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

''واقعہ یہ کہ ظل اور سایہ قائم و پائیدار نہیں ہوتا، بلکہ صاحب ظل کے تابع ہوتا ہے، جب تک وہ آئینہ کے مقابل کھڑا ہے تو یہ ظل بھی کھڑا ہے، جب وہ یہاں سے الگ ہوا تو یہ ظل بھی غائب اور فنا ہوگیا۔۔۔''(١)

ان عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کے کلام میں رنگ وروغن کا ذکر ایک امر واقع کے طور پر ہے اور پائیداری سے حضرتؒ کی مراد یہ ہے کہ اصل کے تابع نہ ہو، شیخ الحدیث مفتی نجم الحسن امروہی مدظلہ کے بقول:

''رنگ وروغن اور مسالے کی قید احترازی نہیں، بلکہ اتفاقی ہے...... حضرتؒ کی یہ قید اتفاقی ہے بیاناً للواقع، نہ کہ احترازی۔''(٢)

ڈیجیٹل تصویر کی پائیداری

اور اگر قیام اور پائیداری سے وہی مراد ہو جو جواز کے قائل علماء بیان کرتے ہیں کہ تصویر اپنے محل پر قرار پکڑ لے تو برقی تصویر بایں معنی بھی قائم اور پائیدار رہیں، تاہم اس کا قرار واستقرار اور اس کی پائیداری وناپائیداری اس کی نوعیت کے مطابق ہے۔

آگے آئے گا کہ ہر چیز کی پائیداری وناپائیداری اس کی مخصوص نوعیت کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر علم وفن میں اس کے نظائر مل جاتے ہیں، مثلاً: فقہ کا قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا قبضہ اس کی مخصوص نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔ فقہاء کہتے ہیں: ''قبض کل شیء بما یناسبہ''بعض چیزوں کو ہم ہاتھ میں لے سکتے ہیں، بعض کو جیب میں ڈال سکتے ہیں، مگر

١) محولہ بالا، ص:٥٩

٢) مفتی نجم الحسن امروہی، ڈیجیٹل کیمرے کی تصویر کی حرمت پر مفصل مدلل فتوی، ط: جامعہ دار العلوم یاسین القرآن نارتھ کراچی، ص:١٠٦، ١٤٤۔

زمین، مکان، جہاز، وغیرہ کے ساتھ یہ عمل نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورتوں میں قبضہ ان اشیاء کی نوعیت کے مطابق حکمی اور تعبیری ہوگا۔ مکان کی کنجی حوالے کر دی تو سمجھا جائے گا کہ مکان کا قبضہ دے دیا گیا۔

حروف معانی کا قاعدہ ہے کہ ''فا'' تعقیب کے لئے ہے، مگر ہر چیز کی تعقیب اس کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ شیخ جمال الدین بن ہشام الانصاریؒ جنہیں ابن خلدون نے ''أنحیٰ من سیبویه'' کہا ہے، انہوں نے ''مغنی اللبیب'' میں اس کی کئی مثالیں دی ہیں، ان نظائر پر قیاس کرتے ہوئے روشنی کے لئے بھی اس کی نوعیت کے مطابق قرار کی شرط لگانی چاہئے۔ روشنی لطیف کرنیں ہیں اور کرنیں چمک سکتی ہیں، مگر رنگ کی طرح چپک نہیں سکتی ہیں۔ اس لئے روشنی میں قرار وثبات کی شرط لگانا اس میں رنگ کے خواص ڈھونڈنا ہیں۔

علاوہ ازیں جس عہد میں حضرت مفتی صاحبؒ نے مذکورہ تحریر لکھی تھی، اس کے احوال بھی حضرت مفتی صاحبؒ کا منشا سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ حضرت کا رسالہ جیسا کہ معلوم ہے حضرت سید سلیمان ندویؒ کے جواب میں تھا، حضرت سید صاحبؒ نے فوٹو میں پائیداری کی شرط کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا، ان کی عبارت ہے:

> ''فوٹو گرافی درحقیقت عکاسی ہے۔ جس طرح آئینہ، پانی اور دیگر شفاف چیزوں پر صورت کا عکس اتر آتا ہے اور اس کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا، اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مقبل صورت کا عکس اترتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائیدار اور قائم نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کر لیا جاتا ہے، ورنہ فوٹو گرافر مصور کی طرح اعضاء کی تخلیق وتکوین نہیں کرتا۔''(۱)

---

۱) مولانا سید سلیمان ندوی، مجسمہ اور تصویر کے متعلق اسلام کا شرعی حکم، معارف اعظم گڑھ، جلد: ۴، شمارہ: ۴، اکتوبر ۱۹۱۹ء بمطابق محرم الحرام ۱۳۳۸ھ، ص: ۲۵۰ تا ۲۶۴۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے پیش نظر عکس اور فوٹو کے مابین فرق بیان کرنا تھا اور اس زمانے میں ٹیکنالوجی بس اس حد تک تھی کہ صرف رنگ وروغن کے ذریعہ ہی تصویر کو پائیدار بنایا جاسکتا تھا، مگر اب جب کہ ٹیکنالوجی کی ترقی سے تصویر کو رموز و اشارات کی صورت میں بھی محفوظ کرنا ممکن ہوگیا ہے، تو اسے بھی تصویر کہنا چاہئے۔

خود حضرت مفتی صاحبؒ بھی تصویر کے لئے اپنے محل پر چھپ جانے کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اس خیال کی تائید حضرتؒ کے اس فتوی سے ہوتی ہے، جس میں انہوں نے سینما کی تصویر کو بھی تصویر محرم قرار دیا ہے، حالانکہ سینما کے پردے پر صرف روشنیاں پڑتی ہیں اور اس پر اس طرح نہیں چھپتیں جس طرح حروف کاغذ پر چھپ جاتے ہیں:

> ''اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سینما کا دیکھنا اگر دوسری خرابیوں سے قطع نظر بھی کی جائے تو اس کی ممانعت کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ اس میں تصاویر دکھلائی جاتی ہیں۔''(١)

اس کے علاوہ ساٹھ کی دہائی میں ہمارے ملک میں ٹی وی کی آمد ہوچکی تھی، جس کے بعد ایک مدتِ مدید تک حضرت مفتی اعظمؒ حیات رہے ہیں، مگر اس عرصے کا کوئی ایسا فتویٰ نظر سے نہیں گزرا جس میں انہوں نے ٹی وی کی تصویر کو ناپائیدار ذرات کی وجہ سے تصویر کی تعریف سے خارج قرار دیا ہو۔

یہ منطقی نقض اس موقع پر وارد کرنا درست ہوگا کہ عدم کو دلیل بنانا درست نہیں، یعنی اگر جواز کا فتویٰ حضرت سے منقول نہیں تو عدم جواز بھی ان سے ثابت نہیں۔ مگر سینما کے بارے میں حضرت مفتی اعظمؒ کا جو فتویٰ اوپر منقول ہوا، اس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ حضرتؒ کے نزدیک ٹی وی کی تصویر بھی حرام تصویر ہی تھی، کیونکہ سینما کی تصویر ٹی

١) مفتی اعظم پاکستان، مفتی محمد شفیع، تصویر کے شرعی احکام، فوٹو کے متعلق شرعی احکام، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع جدید، ١٤٠٦ھ بمطابق ٢٠٠٥ء، ص: ٩٠۔

وی کی تصویر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ناپائیدار ہے۔

ان حقائق کے باوجود اگر قرار وثبات کی شرط کوئی منصوصی شرط ہوتی تو اس پر اصرار نہ صرف درست اور مناسب تھا، بلکہ از روئے شرع لازم اور ضروری تھا، مگر نصوص میں ایسی کسی شرط کا ذکر نہیں ہے۔ احادیث مطلق ہیں، جن میں بغیر کسی قید کے تصویر کی حرمت وارد ہے۔ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

''حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو وعید شدید آئی ہے، وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے......''(١)

فقہاء کا کلام بھی عام ہے، جس میں پائیدار و ناپائیدار کی تخصیص نہیں اور لغت کی دلالت برقی منظر کو بھی شامل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عرف میں بھی اُسے تصویر سمجھا جاتا ہے۔ لغت اور عرف کی بحث مضمون کے آخر میں آئے گی۔

"والحق أنه لا ينبغي تكلف أي فرق بين أنواع التصوير المختلفة حيطةً في الأمر ونظراً لإطلاق لفظ الحديث".(٢)

ترجمہ: ''حق بات یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ مطلق ہونے پر نظر کرتے ہوئے اور حکم کو جامع بنانے کے لئے تصویر کی مختلف اقسام کے درمیان فرق کا تکلف کرنا مناسب نہیں''۔

١) محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، بصائر وعبر، تصویر کی حرمت اسلام کی روشنی میں، ماہنامہ بینات، جلد: ١٣، شمارہ: ٢، شعبان ١٣٨٨ھ، کراچی، ص ٢ تا ٧۔

٢) شيخ محمد سعيد رمضان البوطي، فقه السيرة، بحواله تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير الحيوان، دار القلم، دمشق، ص: ٩٧، ج: ٤۔

فصل ششم

تخیل کا دخل

فنون لطیفہ کی قسمیں

شاعری، نقاشی، موسیقی اور مصوری وغیرہ فنونِ لطیفہ کی قسمیں ہیں۔فنون لطیفہ دو مختلف قسموں میں تقسیم کیے جاتے ہیں:

ایک: وہ جن سے باصرہ محظوظ ہوتا ہے۔

دوسرے: وہ جو سامعہ کو رام کرتے ہیں۔

مصوری باصرہ کی لذت اور نظر کی عشرت ہے، اس لیے قسم اول میں داخل ہے۔

تخلیق کا مطلب

فنون لطیفہ میں نقل نہیں، بلکہ تخلیق مقصود ہوتی ہے۔تخلیق کی تفہیم میں شعر وشاعری کی تمثیل زیادہ مفید رہے گی۔شاعر سوسائٹی کا ترجمان اور ایک حساس دل اور گہری نگاہ کا مالک ہوتا ہے۔جب کوئی واقعہ، حادثہ، خیال یا منظر اُسے متاثر کرتا ہے تو وہ اور لوگوں کو اپنے محسوسات اور جذبات میں شامل کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، اور جب وہ منظر، تجربے یا

واقعے کو بیان کرتا ہے تو اپنے تخیل کی مدد سے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے اور اس خیال آفرینی، رنگ آرائی اور مبالغہ آمیزی پر اس کی تحسین وتوصیف بھی کی جاتی ہے، مثلاً: وہ خوبصورت کو زیادہ خوبصورت اور بدصورت کو اور زیادہ بدصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ کہیں غربت دکھانی ہو تو حقیقت میں جتنی ہو اس سے زیادہ دکھاتا ہے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ متاثر ہوں اس کے جذبات میں شریک ہوں اور وہی کچھ محسوس کریں جو وہ خود محسوس کر رہا ہے۔

شاعر کی طرح مصور جب کسی بصری منظر میں کوئی ایسا عنصر نمایاں کر دے جو اصل میں نہ ہو تو اسے مصور کی تخلیق کہتے ہیں۔ مصور صرف نقش ونگار نہیں بناتا، مجرد خطوط نہیں کھینچتا، محض رنگوں کا استعمال نہیں کرتا ہے، بلکہ ایک ماہر نفسیات کی طرح دل ودماغ کی کیفیات کی باقاعدہ وضاحت کرتا ہے، وہ لطیف جذبات اور باطنی احساسات کو نقوش کی مدد اور رنگوں کی زبان میں محسوس کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ صرف حقیقت کو بلا کم وکاست دکھائے یا اصل کو ہو بہو اور جوں کا توں پیش کرے تو اس کی کاوش کو تخلیق نہیں کہیں گے، کیوں کہ صرف حقیقت کو جیسی وہ ہے، ویسے ہی دکھانا یا واقعے کو واقعہ دکھانا تخلیق نہیں ہے۔

بہر حال فنون لطیفہ میں تخلیق مقصود ہوا کرتی ہے، اس لیے مصوری میں بھی تخلیق ہی مقصود ہوا کرے گی، کیوں کہ مصوری فنونِ لطیفہ کی قسم ہے اور قاعدہ ہے کہ قسم میں اس کا مَقسم موجود ہوا کرتا ہے، مقسم کے خواص اس کی قسم میں بھی پائے جاتے ہیں۔ دونوں میں کلیت اور جزئیت اور عموم وخصوص کا فرق ضرور ہوتا ہے، لیکن دونوں کا ہدف، مقصد اور حکم ایک ہی ہوا کرتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا نقطہ نظر

اب ذرا ماضی کے اوراق پلٹتے ہیں اور تصویر کے بارے میں بعض اہل علم کے نقطہ نظر کو اس کی روح کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فوٹو کے جواز پر علامہ سید

سلیمان ندویؒ نے ایک طویل مضمون سپردقلم فرمایاتھا، جو معارف اعظم گڑھ کے جون ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہواتھا،مذکورہ مضمون میں حضرت سید صاحبؒ نے یہ سوال اٹھایاتھا کہ:

''فوٹو گرافی کیامصوری ہے؟اورفوٹو گرافر پرکیامصور کااطلاق ہوگا؟''

اور پھر مضمون کی اختتامی سطروں میں اپنے قائم کردہ سوال کا خود ہی یوں جواب دیاتھا:

''فوٹوگرافی درحقیقت عکاسی ہے۔جس طرح آئینہ، پانی اور دیگر شفاف چیزوں پر صورت کا عکس اتر آتا ہے اوراس کوکوئی گناہ نہیں سمجھتا،اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مُقبِل کا عکس اترتا ہے،فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائیدار اور قائم نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کرلیا جاتا ہے، ورنہ فوٹو گرافر مصور کی طرح اعضاء کی تخلیق وتکوین نہیں کرتا۔''

اس اقتباس سے واضح ہے کہ حضرت سید سلیمان ندویؒ تخلیق اور تکوین کو عکس اور تصویر کے درمیان ''وجہِ فرق اور مابہ الامتیاز'' سمجھتے ہیں،اور عکس اور تصویر کے درمیان پائیداری اور ناپائیداری کا فرق بھی انہیں تسلیم ہے،مگران کے نزدیک یہ فرق غیر اہم ہے، اس لیے اسے نظرانداز فرمارہے ہیں۔

شیخ محمد بخیت مطیعی کا موقف

معارف کے مذکورہ مضمون سے پہلے مصر کے شیخ الازہر علامہ محمد بخیت مطیعی فوٹو گرافی کے جواز کا فتوی دے چکے تھے،سید سلیمان ندویؒ بھی اپنے مضمون میں ان سے متاثرنظر آتے ہیں۔

شیخ محمد بخیت کا فرمانا تھا کہ فوٹوگرافی میں کسی شئے کا سایہ یاعکس ایک خصوصی تکنیک کی مدد سے حاصل کرلیا جاتا ہے،اس لیے وہ حرام نہیں ہے، کیوں کہ حرام یہ ہے کہ

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اس جیسی کوئی ایسی شئے اپنے تخیل کی مدد سے بنانے کی کوشش کی جائے جس کا پہلے سے وجود نہ ہو، جب کہ کیمرے سے لی گئی تصویر میں تصور اور تخیل کو کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ خدا کی مخلوق جیسی ہوتی ہے، ویسے ہی اس کا عکس اتار لیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر کیمرا کوئی نئی صورت تخلیق نہیں کرتا ہے، بلکہ خدا ہی کی بنائی ہوئی مخلوق ہوتی ہے جس کا عکس کیمرا پیش کر دیتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جو کچھ ہم آئینے میں دیکھتے ہیں، اسے ایک جگہ پابند کر لیا جائے۔ کوئی نہیں کہتا کہ آئینے میں دیکھنا حرام ہے، کیوں کہ وہ تو صرف اللہ جل شانہ کی مخلوق کی شبیہ دکھاتا ہے۔

مصوری میں تخلیق مقصود ہوتی ہے۔ اگر یہ نکتہ ذہن میں مستحضر ہو تو مطلب یہ ہوا کہ کیمرے سے اتاری گئی تصویر، انسان کے داخلی جذبات، باطنی احساسات اور قلبی تاثرات سے خالی ہوتی ہے، اس لیے اس میں تخلیق نہیں ہوتی اور تخلیق نہ ہو تو اُسے مصوری کہنا درست نہیں ہے۔

شیخ بخیتؒ کے اس اصول کا اطلاق ویڈیو کیمرے پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ ویڈیو کیمرا اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتا کہ زیادہ تعداد میں ساکت تصویریں کھینچ لیتا ہے، جنہیں تیزی سے ایک کے بعد ایک دکھانے سے وہ متحرک محسوس ہوتی ہیں، اس لیے جس طرح فوٹو گرافی درست ہے، اسی طرح ویڈیو فلم بھی جائز ہے۔

عرب دنیا میں شیخ بخیتؒ کی تائید بھی ہوئی اور تردید بھی، ان کے موافق بھی لکھا گیا اور مخالف بھی۔ عام اہل علم نے ان کی رائے کے ساتھ اتفاق نہیں کیا، تاہم ان کی دلیل بعض عرب علماء کو متاثر کرنے میں کامیاب رہی۔ برصغیر کے بعض اعلیٰ دماغ اور مشہور ہستیاں بھی ان سے متاثر ہوئیں، مگر جب حق، حق پرستوں پر واضح ہو گیا تو انہوں سلفِ صالحین کی یاد تازہ کرتے ہوئے برملا اپنے موقف سے رجوع فرما لیا۔

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ماضی کے ان واقعات کے بارے میں بڑی حد تک چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتے ہیں، انہوں نے ان تمام حالات کو

دل کی آنکھوں سے دیکھا تھا اور بصیرت کی نگاہوں سے جانچا تھا، اس تاریخی علمی بحث کو، اس کے محرکات ومضمرات کو اور تصویر کے فتنے کے خلاف حضرت کشمیریؒ کی قیادت میں ان کے لائق وفائق تلامذہ کی مساعی کو بیان کرتے ہوئے حضرت بنوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو شدید وعید آئی ہے، وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے، اور تمام امت جاندار اشیاء کی تصاویر کی حرمت پر متفق ہے۔ لیکن خدا غارت کرے اس مغربی تجدد کو کہ اس نے ایک متفقہ حرام کو حلال ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اس فتنۂ اباحیت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز مصر اور قاہرہ تھا، چنانچہ آج سے نصف صدی پہلے قاہرہ کے مشہور شیخ محمد بخیت مطیعی نے جو شیخ الازہر بھی تھے ''إباحة الصور الفوتوغرافية'' کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا تھا جس میں انہوں نے کیمرے کے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ اس وقت عام علماء مصر نے ان کے فتوی کی مخالفت کی، حتیٰ کہ ان کے شاگردِ رشید علامہ شیخ مصطفی حمامی نے اپنی کتاب ''النهضة الإصلاحية للأسرة الإسلامية'' میں اس پر شدید تنقید کی اور کتاب میں صفحہ: ۲۶۰ سے ۲۶۸ اور صفحہ: ۳۱۰ سے صفحہ: ۳۲۸ تک اس پر بڑا بلیغ رد لکھا، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں: ''تمام اُمت کے گناہوں کا بار شیخ کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے امت کے لیے شر اور گناہ کا دروازہ کھول دیا۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے قلم سے ماہنامہ ''معارف'' میں ایک طویل مقالہ شیخ مطیعی کے رسالہ کی روشنی میں نکلا، اس وقت امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور اس مضمون سے واقف ہوئے تو آپ کی تحریک پر آپ کے تلامذہ

میں سے حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے ماہنامہ ''القاسم'' میں اس پر تردیدی مقالہ شائع فرمایا، وہ مقالہ حضرت شیخ کشمیری رحمہ اللہ کی راہنمائی میں مرتب ہوا، جسے بعد میں ''التصویر لأحكام التصاوير'' کے نام سے حضرت مفتی صاحبؒ نے شائع فرمایا۔

یہ واضح رہے کہ حضرت سید صاحب موصوف مرحوم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں جب کہ آپ کی عمر ساٹھ تک پہنچ چکی تھی، جن چند مسائل سے رجوع فرمالیا تھا، ان میں فوٹو کے جواز کے مسئلے سے بھی رجوع فرمایا تھا، مولانا ابوالکلام آزادؒ جیسے آزاد صاحبِ قلم نے اگرچہ ذوالقرنین کوسائرس بنا کر اس کے مجسمے کا فوٹو ''ترجمان القرآن'' میں شائع کیا تھا، لیکن بعد میں اُسے ''ترجمان القرآن'' کے تمام نسخوں سے نکال کر تصویر کے حرام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔''(۱)

اہل حق گروہ کی یہ علامت ہے کہ وہ دین کی نشر واشاعت کے ساتھ فتنوں کے تعاقب میں بھی سرگرم رہتا ہے، اس طرح دین کے دفاع اور حفاظت کا اجر وثواب بھی سمیٹ لیتا ہے، حضرت کشمیریؒ کو اس علمی رنگ میں اٹھنے والے فتنے کا بروقت احساس ہوا اور آپؒ نے علمی محاذ پر اس کی سرکوبی کی۔ آپ کی تحریک وترغیب، توجہ و اہتمام، علمی معاونت ورہنمائی اور آپؒ کے جلیل القدر تلامذہ کی مساعی اور مسلسل وپیہم ضربوں سے یہ فتنہ چاروں شانے چت ہوگیا۔ مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ کی علومِ انوری سے بھرپور ضرب تو بہت ہی کاری اور آخری ثابت ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے دین محمدی کو صنعتِ آزری سے محفوظ رکھا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جو سوال قائم کیا تھا کہ فوٹو گرافی مصوری ہے یا نہیں؟ اور شیخ بخیتؒ کی یہ دلیل کہ کیمرے کے ذریعے منظر کشی میں مصور کے تصور اور تخیل کو دخل نہیں ہوتا۔ دونوں باتوں کا الگ سے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، کیونکہ

۱) ماہنامہ بینات، ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ بمطابق فروری ۱۹۷۰ء، ص: ۳۲ تا ۳۶۔

دونوں کے موقف میں صرف الفاظ کا فرق اور تعبیر کا اختلاف ہے، مقصد اور نتیجہ ایک ہی ہے، وہ یہ کہ فوٹو گرافر مصور نہیں ہے، کیونکہ فوٹو گرافی میں تصور وتخیل کو دخل نہیں ہوتا ہے۔ اس استدلال کا جواب حضرات اکابر سے اس طرح منقول ہے کہ شریعت نے صرف جاندار کی ظاہری سطح کا نقش بنادینے کا نام ہی تصویر رکھا ہے، چاہے اس میں مصور کے تصور وتخیل کو دخل ہو یا نہ ہو۔

علاوہ ازیں یہ دلیل بھی درست نہیں کہ جس صورت میں مصور اعضاء کی تخلیق وتکوین نہ کرے تو وہ تصویر کشی جائز ہوجائے، کیونکہ احادیث میں حرمتِ تصاویر کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ اگر کسی تصویر میں بالفرض ایک وجہ حرمت کی موجود نہ ہو تو اس سے وہ تصویر حلال نہیں ہوجاتی، کیونکہ دوسری وجوہِ حرمت وہاں موجود اور قائم ہوتی ہیں، مثلاً: ان کا ذریعۂ شرک ہونا اور رحمت کے فرشتوں کے داخلہ سے مانع ہونا، وغیرہ۔(۱)

---

۱) ملاحظہ کیجیے تصویر کے شرعی احکام، فوٹو کے متعلق شرعی احکام، مفتی اعظم پاکستان، مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع جدید، ۱۴۰۶ھ بمطابق ۲۰۰۵ء، ص:۶۱۔

شیخ بخیت اور ان کے ہم خیال علماء کا استدلال اس پہلو سے بھی محل نظر معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس تصور وتخیل کے فلسفہ کو ذرا وسعت دی جائے تو پھر تصویر کی بعض متفقہ انواع بھی جائز ٹھہرتی ہیں، مثلاً مصور ہاتھ کے ذریعہ اور قلم وبرش اور رنگ وروغن کی مدد سے کسی ٹھوس سطح پر جاندار کی ایسی شبیہ تیار کرے جیسا کہ وہ جاندار حقیقت میں ہے، رتی برابر اس میں مصور کے تخیل وتصور کو دخل نہ ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ شبیہ ممنوع تصویر کے ذیل میں نہیں آتی، کیونکہ مصور نے اپنے تخیل کی مدد سے کسی غیر موجود مخلوق کی شبیہ نہیں بنائی ہے، بلکہ خدا تعالیٰ کی مخلوق جیسی تھی ویسی ہی اس کی نقل بنا کر پیش کردی ہے، یہی دلیل اسی تفصیل کے ساتھ مجسمہ کے جواز پر بھی پیش کی جاسکتی ہے کیونکہ مجسمہ بھی تصویر کی ایک نوع ہے اور اس کے لئے ذی ظل (سایہ دار) کی اصطلاح معروف ہے۔

فصل ہفتم

متحرک تصاویر

متحرک تصویر کی حقیقت

کوئی کیمرا متحرک تصویر کھینچتا ہے نہ ہی کوئی آلہ متحرک تصاویر دکھاتا ہے، مگر پھر بھی اسکرین پر جیتی جاگتی، بولتی، چلتی، پھرتی، بھاگتی اور دوڑتی تصویریں نظر آتی ہیں، اسکرین کے پیچھے ایک سرگرم اور چہل پہل سے بھرپور زندگی کا احساس ہوتا ہے، انسان دوڑتے ہوئے، پرندے اُڑتے ہوئے، درخت جھومتے ہوئے اور کھیت لہلہاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کھیل کے میدان میں گیند اچھل کر تماشائیوں میں جا گرتی ہے اور کشتی موجوں کو کاٹتی، سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے، یہ سب نقل وحرکت ہماری آنکھ کا دھوکہ اور مشاہدے کی غلطی ہے۔

انسانی حواس میں سے حاسۂ بصر کثرت سے دھوکہ کھاتی ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں بارہا اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، اس لیے اس بدیہی حقیقت پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

ناظر کو متحرک تصویر کا احساس اس طرح دلایا جاتا ہے کہ کیمرا ایک ہی منظر کی

معمولی فرق کے ساتھ زیادہ تعداد میں ساکت تصویریں کھینچ لیتا ہے اور جب انہیں تیزی سے یکے بعد دیگرے دکھایا جاتا ہے تو ناظر کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کب ایک تصویر آنکھوں سے اوجھل ہوئی اور اس کی جگہ دوسری نے لے لی، یوں تیز رفتار تسلسل سے منظر متحرک اور مسلسل محسوس ہوتا ہے۔

اس فنی کاریگری کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہے جو تسلسل اور حرکت کا احساس دلاتی ہے۔ جب ہم کسی جسم کو دیکھتے ہیں تو آنکھوں سے دور ہوجانے کے باوجود سیکنڈ کے سولہویں حصے تک اس کا نقش ہمارے دماغ پر رہتا ہے۔ آنکھ کی اس خاصیت کو نظر کی بقاء (Persistence Of Vision) کہتے ہیں، ابھی ایک تصویر کا نقش ہمارے ذہن سے غائب نہیں ہوتا کہ فوراً دوسری تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اگر ہم اسی طرح ایک سیکنڈ میں کئی لگاتار تصویریں دیکھیں تو ہمیں تسلسل کا احساس ہوگا، کیوں کہ ایک تصویر کا اثر ختم ہونے سے پہلے دوسری کا اثر شروع ہوجائے گا۔

متحرک تصاویر کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد اب سینما کے موضوع پر خامہ فرسائی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اصل مقصد اس بحث کو چھیڑنے کا یہ ہے کہ کیا سینما کی تصویر متحرک اور غیر قار ہونے کی بناء پر تصویر کی تعریف سے خارج ہے؟

سینما کی متحرک تصویریں

سینما میں سلسلہ وار تصویروں کا سامنے کے پردے پر عکس ڈالا جاتا ہے۔ تیز رفتار تسلسل سے آنکھ کو منظر متحرک محسوس ہوتا ہے اور تصویریں چمک دمک دکھانے کے بعد آن کی آن میں غائب ہوجاتی ہیں، جس سے ان کے ناپائیدار اور غیر قار ہونے کا تصور پختہ ہوتا ہے، حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں ہوتی جس طرح نظر آتی ہے، تمام تصویریں ساکن ہوتی ہیں، مگر ان کا سکون انتہائی قلیل وقفے کے لیے ہوتا ہے اور جو حرکت نظر آتی ہے وہ آنکھ کا دھوکہ ہے اور یہی دھوکہ ان آلات کا کمال ہے:

کجی بھی کمال ہے مگر کمان کے لیے

سینما کی ابتدائی شکل

اگر ہم پیچھے لوٹ کر دیکھیں تو سینما کی ایک دلچسپ نظیر تاریخ میں ملتی ہے، جسے سینما کی ابتدائی اور سادہ شکل کہنا زیادہ مناسب ہے اور وہ ہے لالٹین کی روشنی میں پتلی تماشا۔ زمانہ قدیم سے لوگ اس تماشے سے لطف اندوز ہورہے تھے، مگر یہ تماشہ غیر مستقل ہوتا تھا اور ایک خاص ماحول تک محدود رہتا تھا۔ موجدوں نے اُسے مستقل کیا اور وسعت دی۔ آج کا سینما اسی پتلی تماشا کی جدید اور وسیع شکل معلوم ہوتا ہے۔

خیالی تصویریں

ہماری فقہی کتابوں میں ''صور الخیال'' کا ذکر ملتا ہے۔ ''صور الخیال'' کا تعارف موسوعہ فقہیہ میں اس طرح کرایا گیا ہے:

"فإنهم كانوا يقطعون من الورق صوراً للأشخاص، ثم يمسكونها بعصى صغيرة ويحركونها أمام السراج فتنطبع ظلالها على شاشة بيضاء، يقف خلفها المتفرجون، فيرون ما هو في الحقيقة صورة (۱)

ترجمہ:...... ''اس لیے کہ وہ ورق سے اشخاص کی تصویریں کاٹ لیتے تھے، پھر اس کو چھوٹے چھوٹے ڈنڈے کے ذریعے روک لیتے تھے اور چراغ کے سامنے اس کو حرکت دیتے تھے، تو اس کا سایہ سفید پردہ پر ڈھل جاتا تھا، جس کے پیچھے تماشائی کھڑے ہوتے تھے اور وہ چیز دیکھتے تھے جو در حقیقت تصویر کی تصویر ہوتی تھی''۔

سینما اور ٹی وی کی تصاویر بھی اسی طرح دکھائی جاتی ہیں، فرق یہ ہے کہ ''صور الخیال'' میں انداز بالکل سادہ تھا، اور اس تماشے سے لطف اندوز ہونے والے کم تھے، اور

---

۱) الموسوعة الفقهية الكويتية، أنواع الصور، ط: وزارة الأوقاف والشئون الاسلامية كويت، ۱۴۲۷ھ، ج: ۱۲، ص: ۹۳۔

عکس ایک محدود ماحول میں ہی دیکھا جاسکتا تھا، اور اسے محفوظ اور مستقل کرنا ممکن نہ تھا، جب کہ آج جدید ترین الیکٹرانک مشینوں کے ذریعے ممکن ہوگیا ہے کہ پہلے جس کو صرف ایک پردہ پر دکھایا جاتا تھا، وہ آج بیک وقت لاکھوں پردوں پر شعاعوں کے ذریعہ منتقل کردیا جاتا ہے، دنیا بھر کے ناظرین اپنے گھروں میں بیٹھ کر اسے ملاحظہ کرسکتے ہیں ۔اسے آئندہ کے لیے محفوظ کرنا ممکن ہوگیا ہے، اور مشکل سے نہیں بلکہ آسانی سے، اور صرف قریب تک نہیں بلکہ بہت دور تک، اور طویل مدت میں نہیں بلکہ بہت قلیل وقت میں اس کا نشر وارسال ممکن ہوگیا ہے۔

''صور الخیال'' ناجائز ہیں تو سینما اور ٹی وی کی تصویر بھی ناجائز ہونی چاہئے، کیونکہ دونوں میں فرق صرف قدیم اور جدید، سادہ اور ترقی یافتہ اور محدود اور وسیع کا ہے۔

''صور الخیال'' کے متعلق علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"...كمثل صور الخيال التي يلعب بها؛لأنها تبقى معه صورة تامة."

ترجمہ:......''جیسے خیال کی وہ تصویریں جن سے کھیلتے ہیں، کیوں کہ اس کے ساتھ مکمل تصویر باقی رہتی ہے (لہٰذا ناجائز ہے)''۔(۱)

سینما کے متعلق اکابر کا موقف

یہ کہنا کہ سینما کی نقل وحرکت بھی تصویر ہے، اکابر کی اکثریت اس پر متفق ہے۔ امداد الفتاویٰ میں ''تصحيح العلم في تقبيح الفلم'' کے نام سے سینما کے ناجائز ہونے پر ایک مستقل رسالہ ہے، جس میں دیگر وجوہات کے علاوہ تصویر کو بھی سینما کی حرمت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ امداد الفتاویٰ میں اس حوالے سے اور بھی فتاویٰ موجود

---

۱)علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی، ردالمحتار علی الدر المختار، مطلب: إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة، دار الفکر للطباعة والنشر، بیروت، ج:۱، ص:۶۴۹۔

ہیں، چند ایک ملاحظہ کیجئے:

''از ناچیز......سلام مسنون: یہ سینما کا کھیل تصاویر متحرکہ کا تماشا ہے، اس سے پہلے ایک قسم کا باجا بجایا جاتا ہے، اس کے بعد بجلی کے ذریعے سے تصاویر، متحرکہ کی جاتی ہے''۔(۱)

ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''**جواب:** سینما میں جبکہ تصاویر محرمہ موجود ہیں، اور شئے محرم سے انتفاع و تلذذ ناجائز ہونا معلوم ہے، پھر سوال کی کیا گنجائش ہے؟ اور اس سے جو مقصود لکھا ہے، اولاً تو مقصود کی مشروعیت طریق کی اباحت کو مستلزم نہیں، پھر مقصود بھی کونسا ضروری ہے۔ اور باجے کا منضم ہونا اور بھی قبح کو بڑھا دیتا ہے''۔(۲)

فلم بینی کی حرمت کی وجوہات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس میں تصویروں کا استعمال اور ان سے تلذذ ہوتا ہے، اور اس کے قبح میں کسی کو کلام نہیں، گو عابدین ہی کی تصاویر ہوں۔ حضور نے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تمثال جو بیت اللہ کے اندر بنائی گئی تھیں، ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا ہے، معلوم ہے''۔(۳)

گھر میں ٹیلی ویژن رکھنے کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، امداد الفتاویٰ، مسائل شتی، مرتب مولانا مفتی محمد شفیع، دار العلوم، کراچی، طبع جدید: شعبان ۱۴۳۱ھ، جولائی ۲۰۱۰ء، ۴/ ۳۸۶۔

۲) محولہ بالا، کتاب الحظر والاباحۃ، غناء، مزامیر اور لہو ولعب وتصاویر کے احکام، ۴/ ۲۵۷۔

۳) محولہ بالا مسائل شتی، ۴/ ۳۸۶۔

''ٹیلی ویژن لہو ولعب اور گانے بجانے کا آلہ ہے، اس میں جاندار تصاویر کی بھرمار ہوتی ہے۔''(۱)

فقیہ ملت مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک استفتاء کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''فلم ''خانۂ خدا'' کا دیکھنا اسی طرح حرام ہے، جس طرح کہ دوسری فلمیں۔ دراصل سینما یورپ کی بے حیا اور عریاں تہذیب کی اشاعت کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے۔ فلم ''خانۂ خدا'' میں یہ تمام شرعی محرمات موجود ہیں، اس لیے اس کا دیکھنا حرام ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا کیے گئے ہیں کہ اس فلم سے حج اور زیارت کی ترغیب ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ محرمات شرعیہ کا ارتکاب کر کے حج کی ترغیب دینی جائز نہیں ہوسکتی۔ اسلامی تعلیم میں حرام کو خیر کا فریضہ نہیں بنایا جاسکتا''۔(۲)

ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں مسئلہ کہ آج کل ایک فلم موسومہ ''اللہ اکبر'' کا بہت چرچا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس میں تمام ممنوعات شرعیہ سے احتراز کیا گیا ہے۔ اندریں حالات اس کا دیکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ نیز عدم جواز حقیقی ہے یا کہ اضافی یعنی محلی؟

جواب:......ناجائز ہے، اس لیے کہ اس میں لوگوں کی تصویریں وغیرہ دکھائی جاتی ہیں۔ اگر صرف مقام مقدسہ کی زیارت کرائی جاتی ہو تو اس

۱) مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ، فتاویٰ رحیمیہ، تبویب وتخریج جدید: مفتی محمد صالح کاروڑی شہیدؒ، کتاب الحظر والاباحۃ، باب التصویر، دارالاشاعت، کراچی، ۱۰/۱۴۷۔

۲) مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، فتاویٰ مفتی محمود، باب الحظر والاباحۃ، جمعیت پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت جدید: مارچ ۲۰۱۰ء ج ۱۰ ص ۲۲۰۔

میں قباحت نہیں ہے۔(۱)

مزید ملاحظہ کیجئے:

> ''**الجواب**:......کوئی فلم اور سینما تصویروں سے خالی ہوتا ہی نہیں، بلکہ فحش اور مخرب اخلاق تصاویر جتنی زیادہ ہوں لوگ اس میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ فلم ''اللہ اکبر'' بھی تصاویر سے بھرپور ہے......(۲)

خیر الفتاویٰ میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا جواب درج ذیل الفاظ کے ساتھ منقول ہے:

> ''......پھر کوئی فلم عورتوں اور مردوں کی تصویرات سے خالی نہیں ہو سکتی، ساز و آواز بھی اس کے لیے لازم ہے، جنہیں شریعت مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔ احکام خداوندی توڑ کر محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرتے ہوئے تبلیغ کا دعویٰ غضب خداوندی کو دعوت دینا ہے۔''(۳)

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر ملاحظہ کیجئے:

> ''ہماری شریعت میں جاندار کی تصویر حرام ہے اور آنحضرت ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے، ٹیلی ویژن اور ویڈیو فلموں میں تصویر ہوتی ہے۔ جس چیز کو حضور ﷺ حرام اور ملعون فرمارہے ہوں، اس کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''(۴)

---

۱) محولہ بالا، ج ۱۰، ص ۴۵۲۔

۲) محولہ بالا، ج ۱۰، ص ۴۵۲۔

۳) مولانا خیر محمد جالندھریؒ، خیر الفتاویٰ، مرتب: مولانا مفتی محمد انور، ما یتعلق بالانبیاء والصلحاء، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ج ۱ ص ۲۳۰۔

۴) مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید، آپ کے مسائل اور ان کا حل، ترتیب و تخریج: مولانا سعید احمد جلال پوری شہید، ٹی وی اور ویڈیو فلم، ط: مکتبہ لدھیانوی، مئی 2011، ص ۸، ۳۴۴۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''تصویر کے شرعی احکام''میں لکھتے ہیں:

مسئلہ: اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سینما کا دیکھنا اگر دوسری خرابیوں سے قطع نظر بھی کی جائے تو اس کی ممانعت کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ اس میں تصاویر دکھلائی جاتی ہیں۔ پھر جب حالات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس سے بھی زیادہ بہت سے منکرات ومحرمات خودعمل میں آجاتے ہیں اور بہت سے معاصی کے لیے اس کا دیکھنا سبب قریب بنتا ہے۔اس لیے اس تماشے کا دیکھنادکھلانا سب حرام ہے......الی آخرہ۔(۱)

۱) تصویر کے شرعی احکام،مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ ،ط:ادارۃ المعارف کراچی،طبع جدید ربیع الاول۱۴۰۶ھ،اپریل۲۰۰۵ء،ص۹۰۔

فصل ہشتم

تصویر کا مادہ

روشنی......تصویر کا مادہ؟

ریل کے فیتے پر جو نقوش ثبت ہوتے ہیں، ان کے تصویر ہونے میں تو ہمارے ہاں کسی کا اختلاف نہیں، مگر ان نقوش میں سے روشنی گزار کر سامنے پردے پر جب ان کا عکس ڈالا جاتا ہے تو اکابر کی نگاہ میں وہ بھی تصویر ہے، حالانکہ پردے پر صرف روشنیاں پڑتی ہیں اور رنگ کی طرح اس پر قرار نہیں پکڑتی ہیں۔ پس اگر سینما کی تصویر روشنیاں ہونے کے باوجود تصویر ہے تو ٹی وی کی اسکرین پر نمایاں ہونے والی شکلوں کو بھی تصویر کہنا چاہئے، کیوں کہ:

۱:......روشنی ہونے میں

۲:......اور پائیدار اور ناپائیدار ہونے میں

۳:......اور اپنے محل پر رنگ کی طرح قرار نہ پکڑنے میں ٹی وی اور سینما کی تصویر برابر ہے۔

دونوں میں اگر فرق ہے تو صرف اس قدر ہے کہ ٹی وی میں روشنی کی کرنیں پیچھے

سے پڑتی ہیں، جبکہ سینما میں سامنے سے ڈالی جاتی ہیں۔ یہ فرق کس قدر اہم ہے، اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ٹی وی کی اسکرین پر جس طرح روشنیاں چمکتی ہیں اور آن کی آن میں غائب ہو جاتی ہیں، یہی حال سینما کی تصویر کا بھی ہے، مگر اکابر نے اس پہلو کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے، کیوں کہ ایسا انسانی صنعت کی بدولت ہوتا ہے۔ خودکار نظام جو انسان ہی کا تخلیق کردہ ہے، اس کے تحت خود بخود ایک منظر کی جگہ دوسرا منظر لے لیتا ہے۔

ڈیجیٹل اور غیر ڈیجیٹل کا فرق یہ ہے کہ ڈیجیٹل تکنیک میں پوری تصویر تبدیل نہیں ہوتی، بلکہ صرف مطلوبہ حصے میں جس میں حرکت ہو، وہاں تبدیلی ظاہر کر دی جاتی ہے۔ ان سب کے باوجود انسان چاہے تو منظر کو روک سکتا ہے اور اسے سست روی سے بھی دیکھ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ان آلات کی وضع متحرک منظر نمائی کے لیے ہے، اگر ایک ہی تصویر اسکرین پر برقرار رہے تو ان آلات کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

فصل نہم

قدیم اور جدید کا فرق

علل اربعہ کے پہلو سے

اس عنوان کے تحت قانونِ ارسطو کے ذریعہ قدیم اور جدید کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے، مناطقہ کے علاوہ فقہاء بھی اُسے ذکر کرتے ہیں، اس لیے اس سے کام لینے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ہے۔

تصویر کے مسئلے میں سب سے پہلے مصور کے ذہن میں خاکہ آتا ہے، جسے وہ قلم یا برش کے ذریعہ کاغذ وغیرہ پر اتار لیتا ہے اور اگر وہ سنگ تراش ہے تو اوزار کی مدد سے بت تراش لیتا ہے، اگر آرٹسٹ ہے تو کینوس پر رنگ بکھیر کر اپنے ذہنی خاکے کو رنگوں کی زبان میں محسوس کرا دیتا ہے۔ کیمرے کی ایجاد نے قلم اور برش اور رنگ وروغن سے بے نیاز کر دیا ہے، اب کیمرا ان کاموں کو بہت سرعت اور سہولت اور نہایت نفاست اور خوبی کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ گویا دونوں میں فرق آلے کا ہے۔ لیکن اس فرق کو غیر اہم قرار دے کر فوٹو کو تصویر کہا گیا ہے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں کہ:

''یہ منطق سمجھ سے بالا ہے کہ انسان ہاتھ سے کوئی کام کرے وہ تو حرام ہو

اور وہی کام مشین سے لینے لگے تو وہ حلال ہو جائے۔‘‘(۱)

دوسرا فرق مادے کا ہے۔ رنگ وروغن کی جگہ روشنی کے نقطوں نے لے لی ہے اور کاغذ اور کپڑے کی بجائے اب ٹی وی اور مانیٹر کی اسکرین استعمال ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ علت مادی میں بھی تبدیلی آئی ہے، مگر یہ فرق بھی جوہری اور بنیادی نہ ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جائے گا، کیونکہ علت مادی کا فرق غیر مقصود ہونے کی بناء پر کوئی قابل لحاظ فرق نہیں ہوتا ہے۔ اگر مادے کا فرق حکم میں اثر کرتا تو چار حرام شرابوں کے علاوہ بقیہ شرابیں جائز ہونی چاہیے تھیں۔ یہ غیر معقول معلوم ہوتا ہے کہ کوئی الیکٹرانک آلہ ڈیٹا کو تصویر میں تبدیل کر کے روغنی کاغذ پر ظاہر کر دے تو وہ تصویر کہلائے اور وہی آلہ اسی مواد کو تصویر میں بدل کر اسکرین پر نمایاں کر دے تو اسے تصویر نہ کہا جائے۔ یہ فرق حقیقت کا فرق نہیں ہے، بلکہ مادے کا فرق ہے اور ہر مادے کے اپنے خواص ہوتے ہیں۔ رنگ کا خاصہ قائم اور پائیدار ہونا ہے، جب کہ روشنی اس طرح قائم اور پائیدار نہیں ہوتی، جس طرح رنگ ہوتا ہے، مگر اپنی نوعیت کے مطابق ضرور پائیدار ہوتی ہے۔

علت صوری میں ہاتھ سے بنائی ہوئی اور کیمرے سے اتاری گئی دونوں برابر ہیں، بلکہ کیمرے کو کئی وجوہ سے برتری حاصل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کیمرے کے ذریعے صورت گری میں تصور اور تخیل کو دخل نہیں ہوتا ہے، مگر جب شریعت جان دار کے ظاہری نقش ونگار اور خط وخال کو ہی تصویر کہتی ہے تو یہ اعتراض بھی وزن کھو دیتا ہے۔

علت غائی کا ذکر رہ گیا ہے۔ انسان کو آمادہ کرنے والی اور کسی فعل پر ابھارنے والی علت غائی ہوتی ہے۔ یہ محرک اور باعث کا کام دیتی ہے۔ چاروں علتوں میں علت غائی ہی اصل علت اور ’’علة العلل‘‘ ہوتی ہے، کیونکہ حکم کے لیے مدار یہی علت بنتی ہے۔ ’’الأمور بمقاصدها‘‘ میں علت غائی کا ہی بیان ہے۔ یہ علت ہاتھ کے ذریعے صورت سازی اور کیمرے کے ذریعے منظر کشی، دونوں میں یکساں ہے۔ دونوں کا مقصد اصل کی نقل وحکایت ہے اور دونوں سے مقصود اصل کا ’’بصری ریکارڈ‘‘ محفوظ رکھنا ہے۔

۱) مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، آپ کے مسائل اور ان کا حل، تصویر، کیمرے کی تصویر کا حکم، مکتبہ لدھیانوی، ۸/ ۷۶ ۴۔

فصل دہم

اصل اور عکس

اس فصل کے تحت بالترتیب تین امور پر گفتگو کرنی ہے:

۱:......اصل اور عکس کے حکم میں فرق ہے۔

۲:......دونوں کا فرق روشنی کی وجہ سے ہے۔

۳:......عکس اور برقی تصویر کا فرق زیادہ جوہری اور بنیادی ہے۔

اصل اور عکس کا فرق

فقہاء اصل اور عکس کے حکم میں فرق کرتے ہیں۔کوئی چیز پانی میں ہوا سے دیکھنے کا حکم کچھ ہے تو پانی کے اندر کسی شئے کا عکس دیکھنے کا حکم کچھ اور ہے۔درج ذیل عبارت میں وضاحت کے ساتھ اس فرق کو بیان کیا گیا ہے:

"...لو نظر إلى الأجنبية من المرآة أوالماء وقد صرحوا في حرمة المصاهرة بأنها لاتثبت برؤية فرج من مرآة أوماء؛لأن المرئي مثالهٗ لاعينهٗ بخلاف مالو نظر من زجاج أو ماء هي

فيه؛لأن البصر ينفذ الزجاج والماء فيرى ما فيه ....".(۱)

ترجمہ:......''اگر اجنبی عورت کا عکس آئینے یا پانی میں دیکھے،فقہاء نے حرمت مصاہرت کی بحث میں تصریح کی ہے کہ عورت کی شرمگاہ کا عکس آئینے یا پانی میں دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ نظر آنے والی چیز شرمگاہ کا عکس ہے، بذات خود شرمگاہ نہیں ہے۔البتہ جس صورت میں عورت کو شیشے میں یا پانی میں دیکھے تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی ،کیوں کہ نظر شیشہ اور پانی سے پار ہوجاتی ہے اور جو چیز ان میں ہو وہ نظر آجاتی ہے''۔

اس فرق کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ دیکھنے دیکھنے میں فرق ہے، اس لیے اصل اور عکس کے احکام میں بھی فرق ہے۔اس فرق کی وضاحت اس طرح ہے کہ دیکھنا تین طرح پر ہوتا ہے:

۱:......آنکھ اور شئے کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔اس صورت میں روشنی براہِ راست آنکھ تک پہنچتی ہے۔

۲:......شیشے میں یا عینک لگا کر دیکھنا۔اس صورت میں روشنی شیشے سے پار ہوکر آنکھ تک پہنچتی ہے۔

۳:......آئینے یا اسٹیل وغیرہ میں کسی شئے کا نظر آنا۔اس صورت میں روشنی منعکس ہوکر آنکھ تک پہنچتی ہے۔

وجہ فرق......روشنی

ان تینوں صورتوں میں سے پہلی دو صورتوں میں آنکھ اصل شئے کو دیکھتی ہے، اس

۱) علامہ محمد امین ابن عابدین (متوفی ۱۲۵۲ھ) ردالمحتار علی الدرالمختار،ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی ، کتاب الحظر والاباحۃ ،فصل فی النظر واللمس ج:۲، ص:۳۷۲۔

لیےاس پر اصل کودیکھنے کے احکام جاری ہوتے ہیں، جب کہ تیسری صورت میں آنکھ پر چھائیوں کودیکھتی ہے، اس لیے اس پر عکس کودیکھنے کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ اصل اور عکس کا فرق صرف روشنی کے براہِ راست آنکھ تک پہنچنے اور نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روشنی کا ذرا سا فرق حکم کی تبدیلی میں اثر رکھتا ہے تو جس صورت میں روشنی بالکل تبدیل ہو جائے تو وہ تبدیلی یقیناً حکم کی تبدیلی میں مؤثر ہوگی۔

عکس اور برقی تصویر کا فرق

اب جن تین صورتوں کا اوپر بیان ہوا، ان میں تو روشنی اپنی طبعی حالت (Physical State) پر برقرار رہتی ہے اور آنکھ تک پہنچنے سے پہلے وہ کسی اور قوت مثلاً: برقی یا مقناطیسی یا ریڈیائی قوت میں تبدیل نہیں ہوتی، جب کہ کیمرا روشنی کی کرنوں کو برقی لہروں میں بدل دیتا ہے، جس سے روشنی کی حقیقت و ماہیت بدل جاتی ہے اور عکس کا وہ بنیادی وصف فوت ہو جاتا ہے جو عکس کے وجود کے لیے ضروری ہے۔ عکس میں روشنی اُلٹے پاؤں لوٹ جاتی ہے، لیکن جب روشنی روشنی نہ رہی، بلکہ بجلی بن گئی تو اس کا لوٹنا کیسے ہو سکتا ہے؟

"والعكس في اللغة :عبارة عن ردالشيء على سننه بطريقه الأول مثل عكس المرآة .إذا ردت بصرک إلى وجهک بنور عينک". (۱)

خلاصہ یہ کہ عکس قدرتی لہروں کا مجموعہ ہوتا ہے، جبکہ برقی تصویر مصنوعی اور بناوٹی لہروں کے نتیجے میں تشکیل پاتی ہے، یہ ایک واضح فرق ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے

۱) علي بن محمد بن علي الجرجاني، التعريفات للمجرجاني رحمه الله، طبع اولى، مطبعه خيريه، مصر، ص:٦٦۔

کہ برقی منظر کو عکس کہنا درست نہیں ہے، مگر اس قدرتی اور بناوٹی لہروں کے فرق کو فیصلہ کن حیثیت دینے سے پہلے دو اور نتائج بھی غور و فکر چاہتے ہیں، جو اسی فرق کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں:

۱:......ڈیجیٹل ساؤنڈ

ڈیجیٹل تصویر کی طرح آج کل ڈیجیٹل ساؤنڈ کا استعمال بھی عام ہے۔ اگر امام ڈیجیٹل آلہ استعمال کر کے نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو امام کی اصل آواز پہنچے گی یا اصل آواز کی بازگشت؟

کیونکہ ڈیجیٹل سسٹم میں تصویر کی طرح آواز کو بھی برقی لہروں میں بدلا جاتا ہے اور پھر اصل لہروں کی طرح لہریں پیدا کر کے امام کی آواز کی طرح آواز پیدا کی جاتی ہے، لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ نمازیوں نے بعینہٖ امام کی آواز نہیں سنی، بلکہ ایک اور آواز سنی جو امام کی آواز کا چربہ اور نقل تھی اور نمازیوں نے اس نقل مشابہ اصل آواز کو سن کر قیام، رکوع اور سجدہ کیا، جس سے ان کی نماز فاسد ہو گئی۔

اس اعتراض کا جواب آسان ہے، کیوں کہ نمازی کا خارجِ نماز شخص کے حکم کی تعمیل کرنا اس وقت اس کی نماز کو فاسد کرتا ہے، جب عمل درآمد سے مقصود اس شخص کی اتباع اور دل جوئی ہو، لیکن اگر مقصود اس شخص کی اتباع نہ ہو، بلکہ شریعت کی اتباع ہو اور وہ شخص محض واسطہ بن گیا ہو تو پھر نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اس بے جان آلے کی اتباع نہیں کرتا ہے، بلکہ شریعت کی اتباع کرتا ہے، کیونکہ حکم ہے کہ امام کی نقل وحرکت کے ساتھ تم بھی نقل وحرکت کرو، اس آلے سے صرف اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ اب امام رکوع میں ہے، اب سجدے میں ہے۔ یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے، اس لیے زیادہ تفصیل کی حاجت معلوم نہیں ہوتی۔ تفصیل کے طالب حضرات مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''آلاتِ جدیدہ اور ان کے شرعی احکام'' ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

۲:...... براہ راست نشریات

جو پروگرام براہِ راست نشر ہوتے ہیں، ان میں بھی منظر کو برقی ذروں میں تبدیل کر کے نشر کیا جاتا ہے۔ اب اگر قدرتی اور مصنوعی لہروں کے فرق کو اس قدر اہمیت دی جائے تو براہِ راست پروگرام بھی عکس نہیں ٹھہرتے ہیں، کیونکہ وہ بھی بناوٹی لہروں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ کلوز سرکٹ کیمرے کا بھی اضافہ کیجیے، کیونکہ وہ بھی روشنی کی شعاعوں کو برقی لہروں میں بدل دیتا ہے۔

جو پروگرام براہِ راست نشر ہوتے ہیں، اُنہیں جب تک محفوظ نہ کرلیا جائے، وہ تصویر کی تعریف میں نہیں آتے، اور جب اُنہیں محفوظ کرلیا جائے تو پھر وہ تصویر کی ذیل میں آجاتے ہیں۔ یہی حکم کلوز سرکٹ کیمرے کا بھی ہے کہ جب تک منظر کو محفوظ نہ کیا جائے، وہ تصویر نہیں ہے، مگر جوں ہی اُسے محفوظ کرلیا جائے تو وہ تصویر کی تعریف میں داخل ہوجاتا ہے۔ البتہ اس طرح کے کیمرے سیکورٹی خدشات اور جان ومال کے تحفظ کی غرض سے لگائے جاتے ہیں، اس لیے جہاں ایسی ضرورت ہو وہاں ''شریعت کا قانونِ ضرورت'' متوجہ ہوگا۔ اگر ضرورت واقعی ضرورت ہو یعنی معقول ہو اور شریعت کی نگاہ میں قابلِ قبول ہو، تو ایسے کیمروں کے استعمال کی اور ان کے ذریعے مناظر کو محفوظ کرنے کی اجازت ہوگی، اور جہاں ضرورت شریعت کے معیارات اور اصولوں پر پوری نہ اترتی ہو، وہاں اجازت نہ ہوگی۔

یہ سوال کہ کون سی ضرورت، شرعی ضرورت ہے اور کون سی ضرورت، اردو محاورے والی ضرورت ہے؟ کون سی ضرورت، حقیقی ضرورت ہے اور کون سی دنیا کے شور اور پروپیگنڈے کے زور پر اسلام کی ضرورت جتائی جارہی ہے؟ اس کا تعین ہمارے موضوع اور بحث سے خارج ہے۔

محفوظ تو ہوتی ہے

یہ جو کہا گیا کہ براہِ راست پروگرام کو جب محفوظ کرلیا جائے تو وہ بھی تصویر کے

زمرے میں آجاتا ہے، اس کے ثبوت میں وہ تمام دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں جن کا ماقبل میں ذکر ہوا، تاہم خاص طور پر اس فقرے کے پسِ پشت استاذ جی مرحوم مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کی سوچ کارفرما ہے، جب کبھی ان سے استفسار ہوتا کہ برقی تصویر پائیدار نہیں ہوتی تو حضرت شہیدؒ کا جواب ہوتا کہ: ''محفوظ تو ہوتی ہے۔'' کبھی یہ بھی فرماتے کہ: ''اگر یہ عکس ہے تو اصل کہاں ہے؟'' مطلب یہ ہوتا تھا کہ عکس تو ذی عکس کے غائب ہونے سے ختم ہوجاتا ہے، مگر برقی تصویر پھر بھی برقرار رہتی ہے۔

یہ اکابر کا کمال ہے کہ وہ سادہ اور مختصر لفظوں میں بہت بڑی اور گہری حقیقت بیان کرجاتے ہیں۔ اوراق کے اوراق سیاہ کرنے کے باوجود حقیقت وہی ہے جو حضرتِ استاذؒ نے ایک چھوٹے سے فقرے اور معنویت سے بھرپور جملے میں ارشاد فرمادی ہے کہ:

''محفوظ تو ہوتی ہے۔''

یہ اس قدر گہرا اور بلیغ جملہ ہے کہ اس میں کیمرے کے مقصد کا بیان بھی ہے، اختلاف کی رعایت بھی ہے، حقیقت کی وضاحت بھی ہے اور یہی جملہ تمام فنی تفصیلات کا مغز، نچوڑ، لب لباب اور حاصل ہے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ کیمرے کی ایجاد کا مقصد اشیاء اور مناظر کا بصری ریکارڈ محفوظ رکھنا ہے۔ پچھلوں کے علوم وفنون تحریر کے ذریعے ہمارے پاس محفوظ ہیں، ماضی کے حالات اور واقعات سے، زبانی حکایات اور سینہ بہ سینہ روایات کے ذریعے ہم باخبر ہیں، مگر اشیاء کا بصری ریکارڈ محفوظ رکھنا اس دن سے ممکن ہوا ہے، جب سے کیمرے کی ایجاد ممکن ہوئی ہے۔ کسی بے جان شئے کی بصری یادداشت محفوظ رکھنے میں تو حرج نہیں ہے، لیکن بصری ریکارڈ اگر جان دار کا ہو تو اس کی ممانعت ہے اور شریعت کو اس سے سخت نفرت ہے، کیوں کہ یہی چیز اکثر فتنے کا باعث بنتی ہے، طویل انسانی تاریخ اس پر شاہد ہے۔

استاذِ محترم کا تبصرہ اس لحاظ سے حقیقت پسندانہ بھی ہے کہ اس کی صداقت سے موافق کے علاوہ مخالف کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ برقی شبیہ حرام تصویر ہے یا نہیں؟

اس بحث سے قطع نظر کیا وہ محفوظ عکس ہے یا نہیں؟ جواب صرف اور صرف اثبات میں ہے اور جب برقی شبیہ محفوظ عکس ضرور ہے تو اس سے بندھا اگلا سوال یہ ہے کہ عکس تو جائز ہے، لیکن محفوظ عکس بھی جائز ہے؟

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''پائیدار اور محفوظ'' میں لفظی فرق اور تعبیر کا اختلاف ضرور ہے، لیکن مقصد اور نتیجے میں دونوں برابر ہیں۔ پائیداری کا مقصد بھی حفظ اور ضبط ہے اور جب یہی مقصد ہے تو دونوں میں سوائے لفظی اختلاف کے کوئی اور فرق نہیں ہے۔ اور یہ بحث بھی اس صورت میں ہے جب تصویر کے لیے قیام ودوام کی شرط کو ایک لازمی شرط کے طور پر تسلیم کیا جائے، ورنہ اگر اس شرط کو وزن نہ دیا جائے یا کم از کم اسے فیصلہ کن حیثیت نہ دی جائے، جیسا کہ ہم بحث کر آئے ہیں، تو پھر کوئی اختلاف ہی نہیں رہتا ہے۔

فصل یازدہم

عرف اور تصویر

تصویر: ایک عرفی حقیقت

ارسطو کے بقول ''تعریف علم کی ابتدا وانتہا ہے''، ابتدا بایں معنیٰ ہے کہ کسی شئ کا علم حاصل کرنے کے لیے ہمیں اس کا واضح اور صاف تصور حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، جب کہ شئ کا واضح اور صاف تصور اس کی تعریف سے حاصل ہوتا ہے، اسی وجہ سے معلمین اور مصنفین آغاز ہی میں مطلوبہ شئ کی تعریف کردیتے ہیں۔

اس اصول کا تقاضا تھا کہ پہلے قدم پر تصویر کی تعریف ذکر کردی جاتی اور اس کے بعد دیگر مباحث پر خامہ فرسائی کی جاتی، مگر جان بوجھ کر اس فنی اصول اور علمی اسلوب کو اس لیے نظر انداز کیا گیا کہ تصویر کی تعریف کرنا اسے دھندلا اور مبہم بنانا ہے۔ تصویر ایک جانی پہچانی حقیقت ہے، ہر ایک اسے جانتا اور سمجھتا ہے۔ عام لوگ جسے تصویر کہتے ہیں ،شریعت بھی اسے تصویر کہتی ہے، اس وجہ سے تصویر کی تعریف نہ صرف مشکل، بلکہ بہت

مشکل ہے(۱) کیونکہ تصویر کی جو بھی تعریف کی جائے گی اس سے مقصود تصویر کے مفہوم کی تعیین وتحدید اور اس کی حقیقت کا بیان اور وضاحت ہوگی، جب کہ یہ لفظ خود اتنا واضح ہے کہ اس سے زیادہ اس کی وضاحت ممکن نہیں ہے۔ واضح اشیاء اور سادہ تصورات کی تعریف اسی لیے بہت مشکل ہوتی ہے کہ ان سے زیادہ واضح، صاف اور سادہ الفاظ دستیاب ہی نہیں ہوتے ہیں۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ فقہی کتابوں میں حرمتِ تصویر کی علت سے تو بحث ملتی ہے، تصویر کے احکام تو مذکور ہیں، اس کے انواع واقسام کا تذکرہ تو موجود ہے، مگر تصویر کی کوئی جامع ومانع اور نپی تلی تعریف دستیاب نہیں ہے۔

احادیث وآثار میں بھی تصویر اور تصویر سازی کی حرمت تو مذکور ہے، مگر تصویر کی حقیقت وماہیت نہیں بیان کی گئی ہے۔

۱) جو تعریفیں دستیاب ہیں، ان میں سے بعض کو تعریف کی بجائے تمثیل کہنا زیادہ مناسب ہے۔ بعض میں مغالطہ دور ہے یعنی تعریف میں تصویر سے مشتق کوئی لفظ دہرایا گیا ہے۔ بعض میں کوئی ایسا عام تر لفظ استعمال گیا ہے، جس سے تعریف کا دائرہ پھیل گیا ہے اور حد اور محدود کا توازن بگڑ گیا ہے کچھ میں علل اربعہ میں سے کوئی علت ترک کردی گئی ہے۔ الغرض کسی نہ کسی منطقی اصول کو نظر انداز کردیا گیا ہے، جس کی بناء پر کسی تعریف پر کلی اطمینان نہیں ہوتا ہے۔ دوسری طرف خود منطقیوں نے معرف اور حد کے بارے میں جو نکتہ آفرینیاں، فنی موشگافیاں اور دقت پسندیاں کی ہیں، ان میں سے اکثر کوہ کندن وکاہ برآوردن ہیں۔ منطق کی ہزار ہا سالہ تاریخ میں سوائے حیوان ناطق کے کوئی اور ایسی تعریف وضع نہیں ہوسکی ہے جو خود منطقی معیار پر پوری اترتی ہو اور یہ یکتا اور بے نظیر تعریف بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تابڑ توڑ حملوں سے لہولہان ہے۔ شارح بزدوی شیخ عبدالعزیز بخاریؒ ''خاص'' کی بحث کے تحت فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ منطقی اصولوں کو زیادہ درخور اعتناء نہیں سمجھتے اور ان جھمیلوں میں نہیں پڑتے ہیں، مگر شیخ زین الدین بن ابراہیم ابن نجیمؒ نے ''المنار'' کی شرح ''فتح الغفار'' میں اس موقف کو مسترد کیا ہے۔

ایسے میں لغتِ عرب کی طرف رجوع لازم ٹھہرتا ہے، کیوں کہ شریعت جب بندوں سے مخاطب ہوتی ہے تو عربی لغت کو ذریعۂ اظہار اور وسیلۂ بیان بناتی ہے۔ اگر لغت شریعت کو ایسا لفظ فراہم کردے جو شریعت کے مزاج اور مطلوبہ معیار پر پورا اترتا ہو تو لفظ کا لغوی معنی ہی اس کا شرعی معنی ٹھہرتا ہے، لیکن اگر لغت قاصر رہے تو شریعت اپنے منشاء و مزاج کے مطابق لغت میں تصرف کرتی ہے۔ کبھی لفظ کے مفہوم کو وسعت دے دیتی ہے، جب کہ اکثر و بیشتر حدود و قیود کا اضافہ کرکے اُس کے دائرے کو تنگ کردیتی ہے۔ بیع، صوم و صلاۃ وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

اگرچہ لغت سے شریعت مقدم ہے، مگر تصویر کے معاملے میں شریعت کا رویہ کچھ اس طرح ہے کہ اس نے بے جان اور جان دار کی تخصیص تو کردی ہے، مگر اس سے زیادہ تحدید و تعیین سے کام نہیں لیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس لفظ کے لغوی مفہوم کو برقرار رکھنا چاہتی ہے، اس لیے جو تصویر کا لغوی مفہوم ہوگا، وہی اس کا شرعی مفہوم قرار دیا جائے گا۔

تصویر از روئے لغت

لغت کی رو سے یہ لفظ مصدر ہے، مگر مصدری معنی میں نہیں، بلکہ مفعولی معنی میں مستعمل ہے، ''صورت'' اس کا مادہ ہے، جس کا مطلب شکل، چہرہ مہرہ اور ظاہری خط و خال اور نقش و نگار ہے۔ مفردات میں امام راغبؒ نے صورت کے بیان میں لکھا ہے:

> " الصورة:ما ينتقش به الأعيان، ويتميز بها غيرها ،وذلک ضربان: أحدهما: محسوس يدركها العامة والخاصة،بل يدركه الإنسان وكثير من الحيوان،كصورة الإنسان والفرس والحمار بالمعاينة ، والثاني :معقول يدركه الخاصة دون العامة ،كالصورة التي اختص الإنسان بها من العقل

والرؤية ، والمعاني التي خص بها شيء بشيء". (۱)

ترجمہ:...... ''کسی عین یعنی مادی چیز کے ظاہری نشان اور خط وخال جس سے اسے پہچانا جاسکے، اور دوسری چیزوں سے اس کا امتیاز ہوسکے، یہ دو قسم پر ہے:

ا......محسوس، جن کا ہر خاص وعام ادراک کرسکتا ہو، بلکہ انسان کے علاوہ بہت سے حیوانات بھی اس کا ادراک کرلیتے ہیں، جیسے: انسان، فرس، حمار وغیرہ کی صورتیں دیکھنے سے پہچانی جاسکتی ہیں۔

۲......صورت عقلیہ: جس کا ادراک خاص خاص لوگ ہی کرسکتے ہوں، اورعوام کے فہم سے بالاتر ہوں، جیسے: انسانی عقل وفکر کی شکل وصورت یا وہ معانی یعنی خاصے جو ایک چیز میں دوسری سے الگ پائے جاتے ہیں''۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی تصویر کا یہی معنی بیان کیا ہے:

''جیسے قابل انعکاس فقط صورتیں ہی ہوتی ہیں، مادہ کو اس سے علاقہ نہیں ، ایسے ہی قابل ادراک واحساس بھی یہ صورتیں ہی ہوتی ہیں، مادہ کو اس سے علاقہ نہیں، چناں چہ ظاہر ہے، کون نہیں جانتا، جسم اگر نظر آتا ہے تو اس کی تقطیع اور رنگ ہی نظر آتا ہے اور کیا نظر آتا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ یہی تقطیع اور رنگ مسمی بصورت ہے...... ''صورت ایک تقطیع کا نام ہے۔''(۲)

بہرکیف صورت کا مطلب شئے کے ظاہری نقوش اور خط وخال ہیں، جس سے شئے کی شناخت اور پہچان ہوتی ہے، اور وہ دوسری اشیاء سے الگ اور ممتاز ہوجاتی ہے۔

---

۱) شیخ محمد عبدہ فیروز پوری، مفردات القرآن (اردو)، شیخ شمس الحق، کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور، سن اشاعت ۱۹۸۷ء۔

۲) حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، قبلہ نما، کتب خانہ قاسمی، دیوبند، طبع دوم، سن اشاعت ۱۹۲۶ء، ص ۳۲۔

اسی ''مابه الامتياز'' کوصورت کہتے ہیں۔

احادیث میں جہاں ''صورت'' کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد ''تصویر'' ہے اور تصویر سے مراد مطلق تصویر نہیں ہے، بلکہ جاندار کی تصویر ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے حوالے سے فیض الباری میں ہے:

"ولينظر في هذا اللفظ ليتضح أن لفظ الصورة هل يختص بالحيوان فقط أو يستعمل في غير هذا أيضاً والظاهر أن أغلب استعماله في الحيوانات ...فدل على أن الصورة في ذهن الشارع تستعمل للحيوانات وإلا فلا بأس بصورة الشجرة". (۱)

ترجمہ:...... ''اس لفظ (صورت) میں اس پہلو سے غور کرنا چاہیے کہ اس کا استعمال صرف جاندار کے ساتھ خاص ہے یا اس کے علاوہ بھی اس کا استعمال ہوتا ہے؟ ظاہر یہ ہے کہ اس کا غالب استعمال جانداروں کے لیے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ شارع کی مراد اس لفظ سے جانداروں کی تصویر ہوتی ہے، ورنہ درخت کی تصویر بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے''

''صورت'' کے لفظ سے ''تصویر'' بنا ہے، جو باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس باب کی خاصیت ''جعل وصنعت'' ہے، اس لیے از روئے لغت تصویر کا مصنوع انسانی ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے تصویر کا معنی صورت بنانا، صورت گری اور پیکر سازی کیا جاتا ہے۔ ان مترادف تراجم میں انسانی صنعت گری کا مفہوم واضح طور پر پایا جاتا ہے اور

۱) امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ، رقم الحدیث: ۵۹۵۱، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، سن اشاعت ۱۴۲۶ھ ۲۰۰۵ء، ج: ۶، ص: ۱۱۱۔

اس قدر معنی پر اہل لغت کا اتفاق معلوم ہوتا ہے اور یہ معنی برقی شبیہ پر بھی صادق آتا ہے۔

"إن الوعيد لاحق بالشكل والهيئة وذلك غير جوهر".(۱)

ترجمہ:...... ''وعید کسی شئے کی صورت اور ہیئت کے بارے میں وارد ہے اور وہ جوہر نہیں ہے''۔

"تستعمل هذه الكلمة في معنى شكل الشيء ،فيقال مثلاً : صورة الأرض وصورة حمار ". (۲)

ترجمہ:...... ''یہ کلمہ کسی چیز کی شکل کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: زمین کی شکل اور گدھے کی شکل وغیرہ''۔

"فهذه الأحاديث قاضية بعدم الفرق بين المطبوع من الصور والمستقل لأن اسم الصورة صادقة على الكل إذ هي كما في كتب اللغة الشكل ". (۳)

ترجمہ:...... ''یہ احادیث اس بارے میں فیصلہ کن ہیں کہ چھپی ہوئی اور مستقل تصویروں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیوں کہ صورت کا مطلب لغت میں شکل ہے اور یہ معنی سب پر صادق آتا ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصور ہونے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ جاندار اشیاء کے مشابہ اشکال بنائے۔

۱)زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علي المناوي (المتوفی: ۱۰۳۱ھ) فیض القدیر ،حرف من، رقم الحدیث:۸۸۲۳، دار المکتب العلمیة، بیروت—طبع اول، ۱۴۱۵ھ،۱۹۹۴ء:۶/۱۷۳۔

۲)دائرۃ المعارف الاسلامیہ،مادہ:صورۃ: ۱۲/۳۷۲،ط:دار المعرفۃ،بیروت،لبنان۔

۳) صالح بن فوزان بن عبداللہ آل فوزان،الاعلام بنقد کتاب الحلال والحرام في الإسلام، الطبعة الثانیة۔

"قال الخطابي:المصور هو الذی یصور أشكال الحيوان ".(۱)

ترجمہ:...... ''یعنی مصور وہ ہے جو جاندار اشیاء کی شکلیں بناتا ہے''۔

اختلافی نکتہ

اختلاف یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ بعض تعریفوں میں تصویر کی تعریف اور مصور کے بیان میں کاغذ، کپڑے اور دیوار وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ان اشیاء کے اندر ایک مشترک خصوصیت ان کا ٹھوس ہونا بھی ہے اور اسی مشترکہ صفت اور قدر مشترک کو بنیاد بنا کر تصویر کی تعریف میں ایک لازمی شرط کے طور کہا جانے لگا ہے کہ تصویر کے لیے ''کسی ٹھوس سطح پر منقش ہونا ضروری ہے۔''

مقصود اس استدلال سے برقی شبیہ کو تصویر کی تعریف سے خارج کرنا ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے محل پر اس طرح نقش نہیں ہوتی، جس طرح حروف کاغذ پر ثبت، رنگ دیوار پر نقش اور نقوش پتھر پر کندہ ہوتے ہیں۔مگر یہ استدلال غور وفکر چاہتا ہے، کیونکہ اس کا حاصل استقراء کے ذریعہ قاعدہ کلیہ کی تشکیل یا لغت کا اثبات ہے، جب کہ لغت کے میدان میں اس کی ممانعت ہے۔صاف لفظوں میں ''قیاس کے ذریعے لغت کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔''

مزید یہ کہ استقراء بھی تام نہیں، بلکہ ناتمام ہے، کیوں کہ ایک تو ایسی تعریفات دستیاب ہیں، جن میں ٹھوس اشیاء کا ذکر ہی نہیں اور جن تعریفات میں ٹھوس اشیاء کا ذکر ہے، ان میں بھی بعض کے اندر دیوار اور کپڑے وغیرہ کے ساتھ ''غیرھا'' کا لفظ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل لغت نے تعریف کو خوب عموم اور وسعت دی ہے اور آئندہ کی امکانی صورتوں کو بھی داخلِ تعریف رکھنے کی گنجائش رکھی ہے۔

---

۱) علامه بدر الدين عينی حنفی، عمدةالقاري شرح صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ماوطی من التصاوير، رشيديه، كوئٹه، ۲۲/۷۲۔

علاوہ ازیں: اس شرط کی بناء پر ہمیں ایک قیاسی بنیاد حاصل ہوتی ہے، مگر کوئی یقینی بنیاد ہاتھ نہیں آتی ہے، جب کہ تعریف کے لیے ہمیں کسی ظنی اور تخمینی سہارے کی نہیں، بلکہ پختہ اور ٹھوس بنیاد کی ضرورت ہے، کیوں کہ تعریف میں کسی شئے کی اساسی صفات اور ضروری اوصاف کو بیان کیا جاتا ہے، جن کی موجودگی اس شئے کے لیے لازم ہوتی ہے، جب کہ ٹھوس سطح پر نقش ہونے کی شرط ایک یقینی نہیں، بلکہ ظنی سی شرط ہے اور اس ظنیت کی وجہ سے تنازع حل نہیں ہوتا، بلکہ اسی جگہ ٹھہرا رہتا ہے، جہاں سے شروع ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ٹھوس سطح پر منقش ہونے کی شرط اتنی اہم اور ضروری تھی تو ایک ایک لفظ کے لیے بادیہ پیمائی اور صحرانوردی کرنے والے محققین اہل لغت ایسی جوہری اور بنیادی شرط کس طرح نظر انداز کر گئے؟

بہرکیف جو علماء کرام برقی شبیہ کو تصویر تسلیم نہیں کرتے، ان کا استدلال یہ ہے کہ برقی شبیہ چونکہ اس طرح اپنے محل پر نقش نہیں ہوتی، جس طرح رنگ دیوار پر، اور حروف کاغذ پر نقش ہوتے ہیں، اس لیے برقی تصویر حرام تصویر کے ذیل میں نہیں آتی ہے۔ اس نظریے کے حامل اہل علم جب قائم اور پائیدار کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد یہی ہوتی ہے۔

اختلاف کی بنیاد

اوپر ذکر ہو چکا کہ تصویر کا لفظ بذات خود اپنے اندر کوئی اجمال یا ابہام نہیں رکھتا ہے، مگر جب قائم اور پائیداری کی وہ تفسیر کی جائے جو جواز کے قائل علماء کرتے ہیں، اور اسے تصویر کے لیے لازمی شرط قرار دیا جائے تو برقی شبیہ کے تصویر ہونے یا نہ ہونے میں شک اور ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر ہم برقی شبیہ کو اس زاویہ سے دیکھیں کہ اپنے اصل کا مستقل عکس ہے جو اپنے

اصل کے تابع نہیں ہے، بلکہ اس سے بے نیاز ہے تو برقی شبیہ تصویر نظر آتی ہے۔

اگر اس پہلو سے دیکھیں کہ اپنے محل پر چسپاں نہیں ہے، جس طرح رنگ وروغن سے بنی ہوئی تصویریں اپنے محل پر چھپی ہوئی ہوتی ہیں تو عکس کے ساتھ اس کی مشابہت قوی ہو جاتی ہے۔

ان دو متضاد اوصاف اور متباین خصوصیات کی بنا پر اور زاویۂ نظر کے اختلاف کی وجہ سے تصویر کا لفظ اپنے بعض مادوں (برقی شبیہ) کے بارے میں مبہم ٹھہرتا ہے۔ زیادہ صاف لفظوں میں ایک لفظ فی نفسہ واضح ہے، مگر اس کے ایک فرد کے بارے میں ذوجہتین ہونے کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اس لفظ کے تحت داخل ہے یا نہیں؟

عرف: ایک فیصلہ کن عامل

ایسے موقع پر جب تصویر اپنے بعض مادوں میں مبہم ٹھہرتا ہے، ابہام کے ازالے، اجمال کی تفسیر، مشکل کی تعیین، جھگڑے کے تصفیے اور نزاع کے خاتمے کے لیے عرف کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ عرف ہی اس مسئلے میں فیصلہ کن کردار ادا کرسکتا ہے۔

" کل ماورد به الشرع مطلقاً ولا ضابط له فيه ولا فى اللغة يرجع فيه إلى العرف ". (۱)

ترجمہ:...... ''جو چیز شریعت میں بغیر کسی قید کے وارد ہوئی ہو اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی قاعدہ ہو، نہ لغت میں اس کی بابت کوئی ضابطہ مقرر ہوا ہو تو اس کے متعلق عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا''۔

ہر رنگ کے جامع، فیلسوف اسلام، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ایسی ہی صورت حال کے بارے میں فرماتے ہیں:

"و إذا ورد النص بصيغة أو اقتضى الحال إقامة نوع مداراً

۱) شيخ عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي، الأشباه والنظائر، دارالكتب العلمية، بيروت، ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳، طبع أول.

للحكم ،ثم حصل فى بعض المواد اشتباه فمن حقه أن يرجع في تفسير تلك الصيغة أو تحقيق حد جامع مانع لذلك النوع إلى عرف العرب،كما ورد النص في الصوم بشهر رمضان ثم وقع الاشتباه في صورة الغيم فكان الحكم ماعند العرب من إكمال عدة شعبان ثلاثين وأن الشهر قد يكون تسعة وعشرين، وهو قوله: إنا أمة أمية لا نكتب ولانحسب ، الشهر كذا".(۱)

ترجمہ:...... ''یعنی جب نص میں کوئی خاص لفظ وارد ہو یا صورت حال کا تقاضا ہو کہ کوئی نوع یعنی کلی بات تجویز کی جائے جسے حکم کے لیے علت قرار دیا جائے اور پھر اس کے بعض مادوں میں شبہ پیدا ہوجائے تو بھی مناسب یہی ہے کہ اس لفظ کی وضاحت معلوم کرنے کے لیے یا اس نوع کی جامع ومانع تعریف کرنے کے لیے اہل عرب کے عرف کی طرف رجوع کیا جائے ،جیسا کہ روزے کے متعلق نص میں ''شہر رمضان'' آیا ہے، پھر ابر کی حالت میں اشتباہ پیدا ہوا (کہ رمضان کب شروع ہو اور کب ختم ہو؟) اس لیے اس کا حکم وہی ہوگا جو عرب کے عرف میں تھا کہ شعبان کے تیس روزے پورے کرنے چاہئیں ،حالانکہ مہینہ کبھی تیس روز کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس کا ،آنحضرت ا کا ارشاد ہے کہ ہم ناخواندہ امت ہیں ، نہ لکھتے ہیں ، نہ حساب کرتے ہیں ۔مہینہ کبھی انتیس کا اور کبھی تیس کا ہوتا ہے''۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام سے ہم یوں رہنمائی لے سکتے ہیں کہ: '' حدیث

۱) امام شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دھلوی، حجۃ اللہ البالغۃ ، باب ضبط المبهم وتمييز المشكل والتخريج من الكلية ونحو ذلك ،، کتب خانہ رشیدیہ، دھلی، ج:۱،ص:۱۱۱۔

میں تصویر کا نام لے کر اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن تصویر کی کوئی ایسی جامع و مانع تعریف نہیں کی گئی، جس سے تصویر کے ہر ہر فرد کا حال معلوم ہوجائے، اس لیے ہمیں عرف پر نظر ڈالنی چاہیے کہ اہل عرف تصویر کے لفظ سے کیا سمجھتے ہیں؟ جو چیز عرف میں تصویر سمجھی جاتی ہو، وہ شریعت میں بھی تصویر کہلائے گی۔

مذکورہ بالا نصوص کے تناظر میں اب ہم عرف سے اپنے نزاع کا تصفیہ کراتے ہیں، مگر عرف کی عدالت میں پیش ہونے سے قبل دو اصولوں کا استحضار ضروری ہے:

۱:..... عرف اور لغت میں ٹکراؤ ہو تو پلہ عرف کا بھاری رہتا ہے۔

۲:..... عرف کے ذریعے لغت کا اثبات جائز ہے۔

لغت کی رو سے تصویر کا اپنے محل پر قائم اور ثابت ہونا ضروری ہے، اس استدلال کے وزن پر گفتگو ہوچکی ہے۔ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ایسا ضروری ہے تو عرف کی رو سے قیام اور ثبات کی شرط ضروری نہیں ہے۔ اس طرح عرف اور لغت آمنے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ان میں میدان سج جاتا ہے اور جب دونوں میں تصادم ہوتا ہے تو عرف غلبہ حاصل کرلیتا ہے، کیونکہ جب عرف اور لغت میں ٹکراؤ ہو تو پہلے اصول کی رو سے پلہ عرف کا ہی بھاری رہتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تصویر کے لیے قیام اور ثبات کی شرط ضروری نہیں ہے، کیونکہ عرف نے اس شرط کو ختم کردیا ہے، بلکہ دوسرے اصول کی رو سے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہنا بھی درست ہے کہ: ''لغت کی رو سے بھی قائم اور پائیداری کی شرط غیر ضروری ہے، کیوں کہ عرف سے لغت کا ثبوت جائز ہے اور عرف میں یہ شرط غیر ضروری سمجھی جاتی ہے۔

مزید یہ کہ عام لوگ اس فنی باریکی میں نہیں پڑتے کہ برقی تصویر پائیدار ہے یا ناپائیدار؟ یہ بحث صرف علمی حلقوں تک محدود ہے، اور علمی حلقوں کو اپنے اختلاف کا فیصلہ عرف عام سے کرنا چاہیے، کیونکہ ''عرف متفاہم'' کو شریعت نے معتبر قرار دیا ہے اور معتبر

کیوں نہ ہو کہ اجماعِ عملی کی ایک قسم ہے۔

ہماری اس گفتگو پر ''مصادرة علی المطلوب'' کا خیال ہو سکتا ہے، جس میں دعویٰ اور دلیل ایک ہی ہوتے ہیں اور دعویٰ کو ہی بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔ کوئی صاحبِ علم کہہ سکتا ہے کہ عرف میں برقی تصویر کا تصویر ہونا محض دعویٰ ہے جو ثبوت کا محتاج ہے۔ جس قدر گفتگو ہو چکی ہے، اس کے پیشِ نظر اس دعویٰ کو مزید مدلل کرنے کی ضرورت تو نہیں، تاہم فائدے سے خالی بھی نہیں، اس لیے اہلِ علم کے غور و فکر کے لیے چند نکات کا پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عرف کے شواہد

آئینہ بنانے، آئینے کے سامنے آنے، آئینہ کسی کے سامنے کرنے اور آئینے سے پردہ ہٹانے کو کوئی بھی تصویر کشی نہیں کہتا اور نہ ہی آئینے میں نظر آنے والی پرچھائیوں کو کوئی تصویر کہتا ہے، مگر برقی آلات پر ہونے والے تماشوں اور ان کی جلوہ گاہوں پر ہونے والی نقل و حرکت کو سب تصویر سمجھتے ہیں۔ ''تصویر دھندلی ہے، تصویر صاف نہیں، آواز آتی ہے تصویر نہیں، قریب کرنے سے تصویر کے پکسلز پھٹ جاتے ہیں، تصویر ہل گئی ہے، موبائل نہ ہونے کی وجہ سے میں تصویر نہ لے سکا، فلاں کا موبائل تصویروں سے بھرا ہوا ہے۔'' اس قسم کے جملوں سے بخوبی عوام الناس کے عرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

آئینے کے روبرو کھڑے شخص کو کوئی بھی نہیں کہتا کہ وہ تصویر بنوا رہا ہے، اور نہ ہی وہ خود اس اہتمام سے کھڑا ہوتا ہے، جس طرح کیمرے کے سامنے لوگ کھڑے ہوتے ہیں، مگر کیمرے کے سامنے کھڑے شخص کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ تصویر بنوا رہا ہے۔

جو لوگ گھر میں ٹی وی رکھتے ہیں، وہ اپنے اس فعلِ بد کے جواز کے لیے مختلف حیلے تراشتے ہیں، مثلاً: ''خبریں سننے کو ملتی ہیں، معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، بچے باہر

جانے سے محفوظ رہتے ہیں اور غلط ماحول سے ان کی حفاظت ہوتی ہے، اب یہ زمانے کی ضرورت ہے وغیرہ۔'' مگر کوئی بھی ٹی وی کے جواز کے لیے یہ دلیل نہیں تراشتا کہ ٹی وی دیکھنا گویا آئینہ دیکھنا ہے اور آئینہ دیکھنا جائز ہے تو ٹی وی دیکھنا کیسے ناجائز ہوسکتا ہے؟

عوام کے علاوہ خواص کا عرف بھی برقی شبیہ کو تصویر سمجھنے کا ہے۔ محترم افضال احمد صاحب نے اپنی کتاب ''ٹی وی اور ویڈیو کے شرعی احکام'' میں ماہرین کی تحقیقات علاوہ اس مضمون کے کئی حوالے نقل کیے ہیں، جن میں ٹی وی کے منظر کو تصویر قرار دیا گیا ہے۔ بطور نمونہ ایک دو حوالے ملاحظہ کیجیے:

''انسائیکلو پیڈیا انٹرنیشنل'' میں ہے:

''ٹی وی اور ریڈیو کے درمیان واضح وظاہر فرق یہ ہے کہ ٹی وی میں ایک تصویر بجلی کے کرنٹ میں مبدل ہوجاتی ہے (یعنی ذرات) پھر وہی کرنٹ آگے چل کر دوبارہ تصویر اول کے مانند ہوجاتے ہیں۔'' (۱)

''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا'' میں تصویر کشی کے متعلق لکھا ہے:

''بذریعہ کیمرا شکل وصورت اتار کر اس کو بجلی و برقی ذرات میں بدل کر ویڈیو کے ذریعہ سے یہ ذرات آلہ مسمی ریسیور تک پہنچائے جاتے ہیں، پھر یہ آلہ ان ذرات کو تصویری ٹیوب کے ذریعے دوبارہ تصویر میں بدل دیتا ہے اور یہ تصویر بالکل اصل کے مطابق ہے۔'' (۲)

"والتلفزة هي استخدام الكهرباء واللاسلكي في نقل صور الأشياء الثابتة أو المتحركة واستقبالها ثانياً عند مسافات

۱) بحوالہ ٹی وی اور ویڈیو کے شرعی احکام، افضال احمد، اسلامی کتب خانہ، کراچی، سن طباعت: ۱۴۰۷ھ، ص: ۱۴۷۔

۲) ایضاً۔

بعيدة وهذه العملية تتناول خطوات عديدة ،شرحناها في بعض مؤلفاتنا." (۱)

گزشتہ سطور میں عرف اور لغت کے حوالے سے جو بحث ہوئی، اس سے یہ تاثر لیا جاسکتا ہے کہ تصویر کے لیے دوام اور قیام کی شرط میں عرف اور لغت کا اختلاف ہے، حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں۔ برقی تصویر کے حوالے سے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اہل لغت کے بیان کردہ معانی اپنے اپنے عرف پر مبنی ہیں۔مختلف زمانوں میں تصویر سازی کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں، اس لیے اہل لغت نے تصویر کے بیان میں اپنے اپنے زمانے میں مروج شکلیں بیان کردی ہیں ،جن سے ان کا مقصود حصر نہیں، بلکہ اپنے عہد کا اسلوب اور طریقۂ تصویر سازی ہے۔ اگر حصر مراد ہوتا تو جدید لغات میں فوٹو اور ٹی وی کی تصویر کو تعریف میں شامل نہ کیا جاتا۔

قانون بھی عرف کی تائید کرتا ہے۔ اس سلسلے میں امریکی عدالت کا حوالہ بہت ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک مقدمہ جس کی مختصر روئیداد یہ ہے کہ ہاکنگز نامی شخص کے زیر قبضہ بچوں کی فحش ڈیجیٹل تصاویر تھیں، اور کچھ اس نے بذریعہ کمپیوٹر نشر کردی تھیں۔ ملزم پکڑا گیا، پہلے تو اس نے اعترافِ جرم کیا، جس کی بناء پر اس پر فردِ جرم عائد کردی گئی، مگر پھر اس نے خود ہی اپنی سزا کے خلاف بالا عدالت میں اپیل دائر کی، اور یہ موقف اختیار کیا کہ قانون کی رو سے f g.v. فائلز بصری تصاویر کی ذیل میں نہیں آتیں، اس لیے اس پر عائد کردہ سزا غیر قانونی ہے۔

دراصل جس وقت یہ وقوعہ ہوا تھا، اس وقت کا نافذ العمل قانون یہ تھا کہ بصری تصاویر میں غیر ڈیولپڈ شدہ فلم اور ویڈیو ٹیپ شامل ہیں، مگر اس میں کمپیوٹر ڈیٹا کا ذکر نہیں تھا۔ ملزم نے قانون کے اس ابہام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ اس کا فعل مذکورہ قانون کے زیر اثر نہیں آتا، اس لیے اسے بری کیا جائے۔

عدالت اپیل نے اپنے فیصلے میں نافذ قانون کی یہ خامی تو تسلیم کی کہ اسے اس

۱) قدوری حافظ طوقان، محاضرات الموسم الثقافی، دارالمعارف مصر، ۱۳۷۴ھ ص: ۴۰۔

طرح مرتب نہیں کیا گیا ہے کہ اس میں وہ تمام مواد شامل ہو جائے جو بصری تصاویر کی ذیل میں آتا ہے اور ساتھ ہی مقننہ (کانگریس) سے قانون کا ابہام دور کرنے کی سفارش بھی کردی، مگر ہاکنگز (ملزم) کی اپیل مسترد کردی اور اپنے فیصلے میں قرار دیا کہ کمپیوٹر تصویر بھی بصری تصویروں کی تعریف میں آتی ہے۔

عدالت نے واضح کیا کہ ۱۹۹۶ء میں قانون کی تشریح کو وسعت دے کر اس میں کمپیوٹر ڈسک میں جمع ڈیٹا کو یا وہ الیکٹرانک ذرائع جو ان کو بصری تصاویر میں بدلنے پر قادر ہوں، شامل کردیا گیا ہے۔

عدالت نے اپنے فیصلے کی تائید میں ایک اور مقدمہ کو بھی بطور نظیر پیش کیا، جس میں ایک شخص نے کمسن بچوں کی مختلف اسٹیجز کے فوٹو گراف لیے اور پھر صفائی و دھلائی کے لیے فلم کمپنی کو بھیج دی، کمپنی نے پولیس کو اطلاع دی، اس شخص نے بھی یہ عذر پیش کیا کہ تفصیلی پراسس سے پہلے اس کا فعل متعلقہ قانون کی زد میں نہیں آتا، مگر عدالت نے اس کی یہ دلیل رد کردی اور اسے سزا سنائی۔ عدالت کا کہنا تھا کہ اس طرح کے مواد کو اگر تصویر کی تعریف میں شامل نہ سمجھا جائے تو بچوں کے متعلق انسدادِ فحاشی کا رائج قانون متاثر ہوگا۔

بہرحال متذکرہ بالا مقدمے کی رو سے ڈیٹا بھی تصویر کی تعریف میں آتا ہے۔ عدالت نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اسے تصویر قرار دیا ہے۔ عدالت کے الفاظ ہیں:

> ''ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ الزام لگائے جانے والے قانون کی رو سے کمپیوٹر g.i.f files بصری تصویر کی تعریف میں آتی ہیں۔''

ان تمام شواہد سے مقصود یہ ہے کہ عرف میں برقی شبیہ تصویر ہے، اور عرف کی تائید لغت کی دلالت سے بھی ہوتی ہے، ماہرین کی آراء بھی اسے تقویت پہنچا رہی ہیں اور فہم عامہ بھی عرف کی پشت پناہی کر رہی ہے اور خود عرف اس قدر قوت اور طاقت رکھتا ہے کہ لغت کو بھی عموم اور وسعت دے دیتا ہے، اس لیے عرف کی بدولت لغت بھی برقی تصویر کو شامل ہے۔

نتیجہ بحث

۱:...... برقی تصویر کے عکس ہونے کے بارے میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان کے تفصیلی اور تنقیدی جائزے کے بعد راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ برقی تصویر بھی تصویر کی ہی ایک نوع ہے۔

۲:...... یہ موقف اس وجہ سے بھی قوی معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی اکثریت اس جانب ہے۔

۳:...... جو تحقیق اکابر کی تحقیق کے ہم آہنگ اور مطابق ہو اور ان کے مزاج کے موافق ہو، اسی میں خیر اور بھلائی ہے اور اسی میں فتنوں سے بچاؤ اور حفاظت ہے اور وہی سلامتی کی راہ ہے۔

۴:...... اگر دونوں جانب کے دلائل مساوی تسلیم کر لیے جائیں تو احتیاط کا پہلو بھی اسی قول میں ہے۔

۵:...... شریعت کا حساس مزاج اور باریک بین و دور اندیش نگاہ صرف اس نظر سے افعال کو نہیں دیکھتی کہ اس میں فی نفسہ کوئی مضرت یا قباحت ہے، بلکہ اس پہلو سے بھی افعال و اعمال کا جائزہ لیتی ہے کہ وہ مفاسد کا ذریعہ اور قبائح کا وسیلہ نہ بن سکیں۔

اس کی طبیعت ہے کہ وہ جس طرح مفاسد سے روکتی ہے، اسی طرح مفاسد تک پہنچنے والے راستوں پر بھی چوکیاں قائم کر دیتی ہے اور پہرے بٹھا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل مفسدے کے ارتکاب سے پہلے بہت سی رکاوٹوں کو عبور اور بہت سی چوکیوں پر سے گزرنا پڑتا ہے۔ اصولیین نے بھی اسی وجہ سے ''ممنوع لعینہ اور ممنوع لغیرہ'' کی اصطلاح قائم کی ہے اور فقہاء نے بھی قانون انسداد اور سد ذرائع سے کام لیتے ہوئے بہت سے ایسے افعال کو ممنوع گردانا ہے، جو ظاہری نگاہ میں جائز اور مباح معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ شارع علیہ السلام کا اصل مقصود مفاسد سے روکنا ہے، مگر مقدمات اور وسائل کی ممانعت بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی ہے۔ مفاسد کی برائی تو ہر خاص و عام پر واضح ہوتی

ہے اور ہر ایک اسے جانتا اور سمجھتا ہے، مگر مقدمات کا فریب اور اس میں چھپے زہر کا علم وحی کی رہنمائی کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ مقدمات ہمیشہ کثرت میں ہوتے ہیں، جس طرح منزل تک وصول اور ہدف کے حصول کے بہت سے راستے ہوتے ہیں، اس کے برعکس حقیقت ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ حقیقت کی ممانعت کی وجہ سے اس تک پہنچنے والے راستے خود بخود ممنوع ہوجاتے ہیں، مگر نام بنام ان کی ممانعت ممکن نہیں ہوتی ہے، کیونکہ وہ لاتعداد اور لامحدود ہوتے ہیں، اس وجہ سے نفس کو وار کرنے اور شیطان کو اغواء کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ رواج اور سماج میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، اور اتنے سنگین نہیں سمجھے جاتے، اس لیے انسان ان سے مانوس اور طبائع ان کی عادی ہوتی ہیں، اور ان سے پرہیز ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ کبھی یکساں اور غیر متغیر نہیں رہتے ہیں، بلکہ وقت اور زمانے، حالات اور واقعات کے تحت بدلتے رہتے ہیں، اس وجہ سے ان کا فہم مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مقاصد اور حقائق ہر زمانے میں اور ہر جگہ غیر متغیر اور غیر متبدل رہتے ہیں۔ ذرائع کا بذات خود ممنوع اور قبیح ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ یہ اکثر جائز شکل میں ہوتے ہیں اور انسان ان کے فی نفسہ جواز کی وجہ سے ان کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے۔ جتنے بڑے کبائر ہیں، جیسے: زنا، شرک پرستی، قتل اولاد وغیرہ ان کی تاریخ پر نظر ڈالیے، سب کی ابتدا وسائل اور مقدمات سے ہوئی ہے۔

اس بحث کے تناظر میں برقی تصویر کے متعلق جواز اور عدم جواز سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کے مفاسد پر نگاہ ڈالنی چاہیے۔ اگر یہ درست نہ بھی ہو کہ وہ حرام تصویر ہے، مگر اس کا غیر شرعی اور غیر تعمیری استعمال اتنا زیادہ ہے اور اس کے نتائج اتنے سنگین اور مفاسد اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اسے شرعی قانون انسداد کے تحت ممنوع ہونا چاہیے۔ ماقبل میں امریکی عدالت اپیل کا فیصلہ گزر چکا ہے کہ کس طرح مفاد عامہ اور اجتماعی مصلحت کی خاطر اس نے ملزم کو قانون کے ابہام کا فائدہ نہیں اُٹھانے دیا اور ایک چیز جو رائج قانون کے صریح خلاف نہیں تھی، مگر مفاسد کی روک تھام کے لیے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ شرعاً بھی برقی تصویر کو دفع مضرت اور حصولِ مصلحت کے تحت ممنوع قرار دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور اس معاملے میں شریعت اور قانون دونوں ہم خیال اور متفق ہیں۔

ضمیمہ

جدید طریقہ تصویر سازی کا حکم

دورِ جدید میں ڈیجیٹل سسٹم کے نام سے ایک نیا نظام متعارف ہوا ہے۔ یہ نظام اپنی فنی تکنیک میں سابقہ تصویری نظام سے قدرے مختلف ہے، کیونکہ پرانے نظام میں پہلے کیمرے کے ذریعے کسی منظر کا عکس لے کر ریل پر محفوظ کیا جاتا تھا اور پھر اسے کیمیائی عمل سے گذارا جاتا اور پھر کسی پردے یا کاغذ وغیرہ پر تصویر کو حاصل کیا جاتا تھا، جب کہ اس نئے نظام میں کسی منظر کی روشنیوں کو ہندسوں کی صورت میں محفوظ کر لیا جاتا ہے اور پھر اس محفوظ شدہ معلومات کی مدد سے نئی روشنیاں پیدا کر کے اصل جیسا منظر پیدا کیا جاتا ہے۔

قدیم اور جدید نظام کا فرق

کوئی بھی کیمرہ ہو، خواہ ڈیجیٹل ہو یا نان ڈیجیٹل: تصویر کشی کرتے وقت پہلے مرحلے میں شبیہ حاصل کی جاتی ہے، جب کہ دوسرے مرحلے میں محفوظ کی جاتی ہے اور تیسرے مرحلے میں اسکرین یا پردے پر ظاہر کی جاتی ہے۔ گویا حصولِ شبیہ، حفظِ شبیہ اور اظہارِ شبیہ ان تین مراحل سے گذر کر تصویر مکمل ہوتی ہے۔

ڈیجیٹل کیمرہ ہو یا روایتی کیمرہ، شبیہ حاصل ہونے کا بنیادی سائنسی اُصول آج

بھی وہی ہے جو اوّلین کیمرے کی ایجاد کے وقت تھا، اس میں سرمو فرق نہیں آیا، البتہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ طریقہ حفاظت میں یہ تبدیلی آئی ہے کہ پرانے طریقہ تصویر سازی میں عکس لے کر اسے فیتے پر نقش کر کے محفوظ کیا جاتا تھا، جب کہ ڈیجیٹل سسٹم میں کیمرے میں داخل ہونے والی روشنیوں کا علم اعداد کی صورت میں محفوظ کرلیا جاتا ہے اور پھر جس طرح کی روشنیوں کو بصورتِ اعداد محفوظ کرلیا گیا ہو، اسی طرح کی نئی روشنیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ یہ روشنیاں جب اسکرین پر جمع ہوتی ہیں تو ان کے اجتماع سے اسکرین پر تصویر نظر آتی ہے۔

اب تک جو کچھ بیان ہوا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ڈیجیٹل تکنیک کے ذریعے پہلے ہندسوں کی صورت میں ڈیٹا (معلومات) محفوظ کی جاتی ہیں اور پھر ان معلومات کی مدد سے اصل کے مشابہ شکل وجود میں لائی جاتی ہے۔

حکم

ہماری تحقیق کے مطابق ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے تحت بنائے گئے مناظر کو تصاویر کہا جائے گا، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱:...... شریعت کا منشا جاندار کی شبیہ محفوظ کرنے سے روکنا ہے، یہی مناط اور علت ہے، کیونکہ طویل انسانی تاریخ بتلاتی ہے کہ یہی چیز فتنے کا باعث بنتی ہے، ڈیجیٹل سسٹم میں بھی شبیہ کو محفوظ کرنے کی قباحت پائی جاتی ہے۔

۲:...... تصویر سازی کی روح اصل کی نقل وحکایت اور اصل جیسا منظر پیش کرنا ہے، انسانی تاریخ میں اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف طریقے استعمال کئے گئے، ان طریقوں میں سے ڈیجیٹل سسٹم اب تک کی سب سے ترقی یافتہ اور اعلیٰ شکل ہے، گویا نظام نے ترقی کی ہے، آلات کی شکلیں بدلی ہیں، طریقہ کار مختلف ہوا ہے، لیکن بنیادی حقیقت اور مرکزی نقطہ اب بھی وہی ہے کہ اصل کی مانند منظر پیش کیا جائے۔

۳:......نئے اور پرانے نظام میں فرق صرف طریقۂ حفاظت کا ہے، تصویر سازی کی روح اور حقیقت دونوں میں مشترک ہے، جب پرانے نظام کے تحت بنائے گئے مناظر کو اکابر نے تصویر قرار دیا تو جدید نظام کے تحت بنائے گئے مناظر کو بھی تصویر کہا جائے گا، کیونکہ جب حقیقت میں دونوں مشترک ہیں تو حکم میں بھی دونوں کو مشترک ہونا چاہیے۔

۴:......ڈیجیٹل مناظر کے پس پشت بھی تصویر سازی کے جذبات اور محرکات ہیں اور نتائج و مقاصد کے حصول میں بھی ڈیجیٹل نظام پرانے طریقہ کار کے برابر ہے ، بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، اس لئے دونوں نظاموں کے تحت بنائے گئے مناظر کو تصویر کہا جائے گا۔

۵:......عرف ایک دلیل شرعی ہے، کیونکہ اجماعِ عملی کی ایک قسم ہے، عام لوگ اپنی بول چال میں کمپیوٹر، ٹی وی اور موبائل پر ظاہر ہونے والی شکلوں کو تصویر کہتے اور سمجھتے ہیں، شریعت نے ''عرفِ متفاہم'' کو حجت قرار دیا ہے، اس لئے عام عرف کو دیکھتے ہوئے یہ مناظر بھی تصویر کہلائیں گے، یہ ایک بدیہی حقیقت ہے اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے!

۶:......عرف کی طرف رجوع کی ضرورت اس بنا پر ہے کہ جاندار کی تصویر کی حرمت تو ہے، مگر تصویر ہے کیا؟......شریعت نے تصویر کی کوئی نپی تلی تعریف نہیں کی ہے، ایسے اُمور جن کی شریعت نے تحدید و تعیین نہ کی ہو، ان میں عرف کو دیکھا جاتا ہے، عرف میں ٹی وی / مانیٹر وغیرہ پر ظاہر ہونے والی شبیہ کو تصویر ہی کہا جاتا ہے اور عوام و خواص دونوں ہی اسے تصویر ہی سمجھتے ہیں۔

۷:......کتبِ لغت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تصویر کی حقیقت اصل کے مشابہ ہیئت اور شبیہ بنانا ہے، تصویر کی یہ حقیقت جدید ڈیجیٹل سسٹم میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے کہ تصویر پر حقیقت کا اور نقل پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔

اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ لغت کی رو سے ڈیجیٹل تصویر، تصویر ہی ہے، اگر کسی صاحب علم کو اسے لغت کی رو سے تصویر کہنے میں تامل ہو تو کوئی حرج نہیں، ہمارا استدلال پھر بھی قائم رہتا ہے۔ پہلے گذر چکا کہ عرف میں ٹی وی، مانیٹر اور موبائل پر ظاہر ہونے والی شکلوں کو تصویر سمجھا جاتا ہے اور جب لغت اور عرف میں ٹکراؤ ہو تو پلہ عرف کا بھاری رہتا ہے، عرف کو لغت پر فوقیت حاصل ہے۔ اُصولِ فقہ کے علمانے تو یہ بھی صراحت کی ہے کہ قیاس کے ذریعے تو لغت کا اثبات جائز نہیں، مگر عرف کے ذریعے جائز ہے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ از روئے لغت بھی ڈیجیٹل طریقے کے مطابق بنایا گیا منظر تصویر ہے۔

امریکہ میں ایک شخص پر اس بنا پر فردِ جرم عائد کی گئی کہ اس نے بچوں کی کچھ فحش ڈیجیٹل تصاویر محفوظ کر رکھی تھیں، اور کچھ کو بذریعہ کمپیوٹر نشر کر دیا تھا، ملزم نے اعلیٰ عدالت میں اپیل کی اور یہ عذر پیش کیا کہ ایسی تصاویر قانون کی رو سے ممنوع تصاویر نہیں، لیکن عدالت اپیل نے اس کا یہ موقف مسترد کیا اور اپنے فیصلے میں کمپیوٹر تصاویر کو تصویر ہی قرار دیا۔

۸:.....علاوہ ازیں اسکرین پر جو صورت نمودار ہوتی ہے وہ یا تو عکس ہے یا تصویر ہے، لیکن اسے عکس کہنا درست نہیں، کیونکہ:

الف) عکس صاحبِ عکس کے تابع ہوتا ہے، جب کہ ڈیجیٹل تصویر ایک مرتبہ بننے کے بعد اصل کے تابع نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مر کھپ گئے ہیں، ان کی تصویریں دیکھنا آج بھی ممکن ہے، جب کہ عکس صاحبِ عکس کے ہٹتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔

ب) عکس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز پر جو روشنی پڑتی ہے، وہی روشنی اپنی حالت کو برقرار رکھتے ہوئے ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہے، جب کہ ڈیجیٹل سسٹم کے تحت تصویر سازی کرتے وقت روشنیوں کو برقی لہروں میں بدل دیا جاتا ہے، یہ لہریں رموز کی صورت میں پوشیدہ رہتی ہیں اور جب منظر کے اِظہار کا وقت آتا ہے تو انہی رموز کی مدد سے کم و بیش قوت کی نئی برقی لہریں پیدا کی جاتی ہیں اور اصل منظر کے مشابہ منظر وجود میں لایا جاتا ہے۔

اس تجزیئے سے واضح ہوا کہ ڈیجیٹل سسٹم کے تحت جو روشنی ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہے، وہ اصل منظر پر پڑ کر منعکس ہونے والی روشنی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ روشنی اپنی حالت پر برقرار رہتی ہے، اس لئے ڈیجیٹل سسٹم کے تحت بنائے گئے مناظر میں اور عکس میں فنی وجوہ سے فرق ہے، ایسے مناظر کو عکس کہنا درست نہیں۔

ج) جس طرح کی تصویر سازی جس زمانے میں رائج تھی، فقہا نے اسی کے مطابق تصویر کی تعریف کی ہے، فقہا کی تعریفات کا قدرِ مشترک یہی ہے کہ اصل منظر جیسی شبیہ بنانا تاکہ اصل کا تصور حاصل ہو جائے، لہٰذا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو بھی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا یا جو بھی آلات استعمال کئے جائیں گے، اس سے حکم شرعی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ آلات اور ذرائع غیر مقصود ہوتے ہیں۔

۹:......کمپیوٹر پہلے پہل صرف حساب و کتاب کے لئے ڈیزائن کیا گیا تھا، خود کمپیوٹر کا مطلب بھی حساب کتاب یا گننا و شمار کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافی عرصے تک کمپیوٹر کا ماحول تحریر (Text) کا رہا یعنی ہم کمپیوٹر پر صرف اَعداد و حروف ہی دیکھ سکتے تھے، مگر جب سے Windows کے پروگرام آئے ہیں، کمپیوٹر، آواز اور تصویر کی رنگ برنگی دنیا میں پہنچ گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کمپیوٹر پر تحریر ہو یا تصویر، دونوں روشنی کے چھوٹے چھوٹے نکات کا مجموعہ ہیں، اور دونوں کی پائیداری اور ناپائیداری یکساں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کمپیوٹر اور موبائل پر لکھی جانی والی تحریر تو تحریر ہے، مگر ٹی وی اور موبائل پر بنائی جانے والی تصویر، تصویر نہیں!

ایک شخص اپنی بیوی کو بذریعہ ایس ایم ایس یا ای میل طلاق بھیجتا ہے تو کوئی بھی فقیہ اس کی تحریر کو پانی یا ہوا پر لکھی جانے والی تحریر قرار دے کر غیر مؤثر نہیں کہتا۔

اس مثال سے یہ نقطہ بھی خوب واضح ہو گیا کہ جس طرح پرانے زمانے میں کتابت

کے لئے کاغذ، لکڑی، چمڑا، اور ہڈی وغیرہ ٹھوس اشیاء استعمال ہوتی تھیں اور آج کمپیوٹر اور موبائل پر بھی تحریر لکھی جاتی ہے، اسی طرح زمانۂ قدیم میں کاغذ، دیوار یا کپڑے وغیرہ ٹھوس اشیاء پر تصویر بنائی جاتی تھی اور آج ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے تحت ٹی وی اور موبائل پر بھی بنائی جاتی ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ڈیجیٹل سسٹم کے تحت بنائی گئی شبیہ بھی تصویر ہے اور اس پر تصویر کے احکام جاری ہوں گے۔

کتابیات

۱:......آب حیات، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، مطبع مجتبائی، دہلی۔

۲:......آپ کے مسائل اوران کا حل، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، ترتیب وتخریج: مولانا سعید احمد جلال پوری شہید، مکتبہ لدھیانوی، کراچی، ۲۰۱۱ء۔

۳:......احسن الفتاویٰ، مفتی رشید احمد لدھیانوی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع چہارم، ۱۴۲۵ھ۔

۴:......آداب الزفاف فی السنة المطهرة، شيخ محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الإسلامي - بيروت-١٤٠٩ھ۔

۵:......اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری، بابائے اردو مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو ادب، کراچی، ۱۹۸۵ء/۱۴۰۶ھ، اشاعت چہارم۔

۶:......امداد الفتاویٰ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مرتب مولانا مفتی محمد شفیعؒ، دارالعلوم، کراچی، طبع جدید، ۱۴۳۱ھ، ۲۰۱۰ء۔

۷:......اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری، شان الحق حقی، ص:۴۲۵، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، اشاعت دوم، ۲۰۰۳ء۔

۸:......تاریخ فاطمیین مصر، ڈاکٹر زاہد علی، میر محمد کتب خانہ، کراچی۔

۹:......تصویر کے شرعی احکام، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ، ط: ادارۃ المعارف کراچی،

طبع جدید ربیع الاول ۱۴۰۶ھ، اپریل ۲۰۰۵ء۔

۱۰:......التعريفات للجرجاني عليه الرحمة، علي بن محمد بن علي الجرجاني، طبع اولی، مطبعه خیریه، مصر۔

۱۱:......تکملة فتح الملهم، مفتی محمد تقی عثمانی، دار القلم، دمشق۔

۱۲:......ٹی وی اور ویڈیو کے شرعی احکام، افضال احمد، اسلامی کتب خانہ، کراچی، ۱۴۰۷ھ۔

۱۳:......جدید صحافتی انگریزی (اردو لغت)، سید راشد اشرف، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، اشاعت اول، ۲۰۰۶ء۔

۱۴:......حجة الله البالغة، شاہ ولی الله ابن عبد الرحيم الدهلوي، تعليق شیخ محمد شریف سر، دار إحیاء العلوم بیروت، لبنان، طبع دوم، ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۲ء۔

۱۵:......خطبات حکیم الاسلام، حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی، مرتب: قاری محمد ادریس ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان، طبع اول۔

۱۶:......خیر الفتاویٰ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مرتب: مولانا مفتی محمد انور، مکتبہ امدادیہ، ملتان۔

۱۷:......دائرۃ المعارف الاسلامیہ، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔

۱۸:......الدین القیم، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مرتب ومدون: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، مکتبہ اسعدیہ، کراچی، سن اشاعت ۲۰۱۰، اشاعت دوم۔

۱۹:......ڈیجیٹل کیمرے کی تصویر کی حرمت پر مفصل مدلل فتویٰ، مفتی نجم الحسن امروہی، جامعہ دار العلوم یاسین القرآن نارتھ کراچی۔

۲۰:......ردالمحتار علی الدر المختار، علامہ محمدامین ابن عابدین (متوفی ۱۲۵۲ھ) ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔

۲۱:......الرسالة الحميدية في حقيقة الديانة الاسلامية وحقيقة الشرعية المحمدية، الشيخ محمدبن جسر الطرابلسي، ادارة الطباعة المنيرية، مصر۔

۲۲:......الأربعين في اصول الدين، فخر الملة والدين محمدبن عمر الرازي (المتوفى:۶۰۶ھ) دائرہ معارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، اشاعت اول ۱۳۵۳ھ۔

۲۳:......سائنسی اصلاحات اوراُن کا پس منظر" جمیل احمد، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۲۴:......۱۰۰ عظیم مسلم سائنسدان رفیق انجم، ابراہیم عمادی، ط: دارالشعور، لاہور۔

۲۵:......سو عظیم ایجادات، مترجم طاہر منصور فاروقی، شاہ محمد پرنٹرز، لاہور۔

۲۶:......شرح السير الكبير، شمس الائمة محمدبن احمد السرخسی، المكتب للحركة الثورية الإسلامية، افغانستان، ۱۴۰۵ھ۔

۲۷:......عمدة القاري شرح صحيح البخاري، علامہ بدر الدين عينی حنفی، رشیدیہ، کوئٹہ۔

۲۸:......فتاویٰ مفتی محمود، مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، جمعیت پبلی کیشنز، لاہور، مارچ ۲۰۱۰ء، اشاعت جدید۔

۲۹:......فتاویٰ رحیمیہ، مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ، تبویب وتخریج جدید: مفتی محمد صالح کاروڑی شہیدؒ، دارالاشاعت، کراچی۔

۳۰:......فلسفۂ مغرب کی تاریخ، مترجم: پروفیسر محمد بشیر، پورب اکادمی، اسلام آباد، اشاعت دوم، سن اشاعت مئی ۲۰۱۰ء۔

۳۱:......فیض الباری علیٰ صحیح البخاری، امام العصر مولانامحمد أنورشاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) دارالکتب العلمیہ ،بیروت ،سن اشاعت۱۴۲۶ھ۲۰۰۵ء۔

۳۲:......فیض القدیر، زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علي المناوي (المتوفی: 1031ھ) دار الکتب العلمیة، بیروت– طبع اول، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۴ء۔

۳۳:......قبلہ نما، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانانوی، کتب خانہ قاسمی، طبع دوم، سن اشاعت ۱۹۲۶ء۔

۳۴:......معروف مسلم سائنسدان، سوانح اور سائنسی کارنامے، مرتبہ عملہ ادارت، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۶ء اشاعت پنجم

۳۵:......مفردات القرآن (اردو) مترجم: شیخ محمد عبدہٗ فیروز پوری، شیخ شمس الحق، کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور، ص:۵۹۹، ج:۲ھ۔

۳۶:......محاضرات الموسم الثقافی ، حافظ طوفان قدری ،دار المعارف مصر، ۱۳۷۴ھ۔

۳۷:الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارت الاوقاف والشئون الاسلامية، كويت، ۱۴۲۷ھ۔

یادداشت

یادداشت